بہترین انسان

حضرت جابر کہتے ہیں: ایک دفعہ ہم نجد کی طرف سے جنگ کر کے واپس آئے۔ ہمارے ساتھ نبی ﷺ بھی تھے۔ لوگ ادھر ادھر درختوں کے سایے کی تلاش میں پھیل گئے۔ حضور بھی ایک کیکر کے درخت کے نیچے آرام فرمانے لگے اور اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی۔ صحابہ کرام معمولی نیند سو گئے اتنے میں آپ نے صحابہ کرام کو بلایا وہ شخص بھی آپ کے پاس ہی تھا۔ آپ نے فرمایا:

اِنَّ هٰذَا اِخْتَرَطَ عَلَیَّ سَیْفِیْ وَاَنَا نَآئِمٌ فَاسْتَیْقَظْتُ وَهُوَ فِیْ یَدِهٖ صَلْتًا قَالَ مَنْ یَّمْنَعُكَ مِنِّیْ ؟ فَقُلْتُ اللّٰهُ ثَلَاثًا .

''اس شخص نے مجھ پر میری تلوار سونت لی جب کہ میں سویا ہوا تھا تو میں جاگ گیا وہ اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے تو میں نے کہا اللہ (تین بار)۔ تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی تو نبی ﷺ نے وہ جلدی سے لے لی اور فرمانے لگے: مَنْ یَّمْنَعُكَ مِنِّیْ اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔ تو وہ کہنے لگا كُنْ خَیْرَ اٰخِذٍ ''تم بہتر پکڑنے والے بنو۔''

تو نبی ﷺ نے فرمایا: اَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ''کیا تو صرف اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہے؟ وہ کہنے لگا: میں اس کی گواہی تو نہیں دیتا البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی آپ سے جنگ نہیں کروں گا اور نہ آپ سے جنگ کرنے والوں سے تعاون کروں گا۔ تو آپ نے اُسے معاف فرمایا وہ اپنے ساتھیوں میں آ گیا اور کہنے لگا جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَیْرِ النَّاسِ ''میں تمہارے پاس تمام انسانوں سے بہترین آدمی کے پاس سے آیا ہوں۔''

[مسند امام احمد: ۳/۳۶۵، ۳۹۰]

بنیادی احکام

(۵۳)......حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:
ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا آؤ! ہم اس نبی کے پاس جائیں۔ تو اس کا دوسرا ساتھی کہنے لگا:
اسے نبی نہ کہنا کیوں کہ اگر اس نے یہ سن لیا تو اس کی آنکھیں چار ہو جائیں گی (یعنی یہ بہت خوش ہوگا۔)
تو وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے اور آپ سے نو روشن آیات کے متعلق سوال کیا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا: ①......تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ②...... چوری نہ کرو، ③...... بدکاری (زنا) نہ کرو، ④......جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو، ⑤......کسی بے گناہ شخص کو قتل کرنے کے لیے حاکم کے پاس نہ لے جاؤ، ⑥...... جادو نہ کرو، ⑦......سود نہ کھاؤ، ⑧......کسی پاک دامن عورت کو بدکاری کی تہمت نہ لگاؤ، ⑨...... جنت کے دن پیٹھ دے کر بھاگ نہ جانا، ⑩......اور خاص تم پر یہ لازم ہے کہ ہفتے کے دن حد سے تجاوز نہ کرو (یعنی اس میں شکار نہ کرو۔)

صفوان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تو ان دونوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو چوما اور کہنے لگے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تمہیں میری پیروی کرنے سے کون سی چیز روک رہی ہے۔ کہنے لگے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی تھی کہ نبوت ہمیشہ ان کی اولاد میں ہی رہے اور ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے آپ کی پیروی کر لی تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔

[ترمذی فی تفسیر سورة الاسراء، رقم: ۳۱٤٤۔ نسائی فی الکبریٰ: ۷/ ۱۱۱،۱۱۲۔ ابن ماجہ: ۳۷۰۵]

اس حدیث میں جو نو آیات کا ذکر ہے اس سے مراد وہ عام احکام ہیں جو تمام مذاہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ بعض شارحین حدیث مثلاً توربشتی وغیرہ نے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نو آیات سے مراد یہ احکام ہیں۔
بعض دیگر شارحین کہتے ہیں اس حدیث میں وہ آیاتِ معجزات مذکور نہیں ہیں بلکہ وہ معجزات قرآنِ مجید میں مذکور ہیں جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ قف فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ ﴾[النمل: ۲۷/ ۱۲]
''یعنی اے موسیٰ علیہ السلام! اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی بیماری کے سفید نکل آئے گا۔ یہ بھی ان نو نشانیوں میں سے ہے۔''
یہاں ایک نشانی ہاتھ کے سفید ہونے کی ذکر فرمائی۔ نو میں سے بقیہ یہ ہیں: ① عصا، ② طوفان، ③ ٹڈی، ④ چیچڑی، ⑤ مینڈک، ⑥ خون، ⑦ قحط سالی، ⑧ پھلوں کی کمی۔ اور بھی کئی معجزات موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے مگر وہ فرعون پر حجت نہیں تھے۔ مثلاً من سلویٰ کا نزول، پتھر سے پانی نکلنا وغیرہ۔ اور یہ نو معجزات فرعون پر اللہ کی طرف سے حجت و دلائل اور معجزہ کی حیثیت رکھتے تھے ان کا اس نے انکار اور کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو غرق کر دیا۔
ابن کثیر نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن عباس بھی کہتے ہیں اس آیت اور حدیث سے یہی معجزات مراد ہیں۔
معلوم ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث میں یہی سوال ہوا کہ قرآن میں مذکور نو آیات کون سی ہیں جیسا کہ بعض روایات میں موجود ہے تو آپ نے جواب وہی ذکر فرمایا جو قرآن میں ہے۔ پھر آپ نے یہ احکام ذکر فرمائے تو راوی نے اس جواب کو قرآنِ مجید میں مذکور ہونے پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے ترک کر دیا اور آپ کے بیان کردہ دیگر احکام ذکر کر دیئے۔ یہ سب وہم واشتباہ راوی عبداللہ بن سلمہ کی طرف سے ہے جو صفوان سے روایت کرتے ہیں۔ علماء ناقدین نے ان کے حفظ میں کلام کیا ہے۔
یہود نے آپ کی سچائی کی شہادت دی اور ساتھ داؤد علیہ السلام کی دعا کا ذکر بھی کیا جو سراسر جھوٹ اور کلام میں تناقض ہے۔ داؤد علیہ السلام کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں آخر الزماں پیغمبر کی تشریف کی خوش خبری دی تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح جانتے تھے۔

فہرست

تقویٰ اور پرہیزگاری

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اسے اپنا لیں تو وہ انھیں کافی ہوجائے۔ وہ یہ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾

''جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکل مقام سے نکلنے کی جگہ بنا دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق پہنچا دیتا ہے جہاں سے انھیں خیال ہی نہیں ہوتا۔''

[مسند احمد: ١٧٨۔ ابن ماجه: ٤٢٢٠]

حلم وصبر

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں گویا کہ نبی ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ انبیاء میں سے ایک نبی کے حالات بیان فرما رہے تھے کہ اسے لوگوں نے مار مار کر خون آلود کر دیا تھا۔ وہ اپنے چہرے سے خون بھی پونچھ رہا ہے اور یہ دعا بھی کر رہا ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ .

''اے اللہ! میری قوم کو معاف کردے یہ ان جان ہیں۔''

[بخاری: ٣٤٧٧۔ مسلم: ١٧٩٢]

قرضہ کی دعا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک مکاتب غلام آیا تو وہ کہنے لگا کہ میں کتابت کی رقم ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔ آپ مجھ سے کچھ تعاون فرمائیں۔ انھوں نے کہا کیا میں تمھیں ایسے کلمات نہ سکھا دوں جو مجھے نبی ﷺ نے لکھائے تھے اگر تجھ پر ثبیر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو ادا فرما دیں گے۔ یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ .

''اے اللہ! مجھے حرام سے بچا کر صرف اپنے حلال مال کو میرے لیے کافی بنا دے اور مجھے اپنے علاوہ ہر ایک کی نیکی اور احسان سے بے نیاز بنا دے۔'' [ترمذی: ٣٥٦٣ فی الدعوات]

27 جون تا 03 جولائی 2008ء......(904)......22 جمادی الثانی 1429ھ

لمحۂ فکریہ

اداریہ — حافظ احمد شاکر

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر اپنے بندوں کو اپنی یاد کا حکم دیا ہے۔ کہیں فرمایا کہ ''پس یاد کرو تم مجھ کو یاد کروں گا میں تم کو'' [۲/۱۵۲] کہیں فرمایا: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یاد کرو اللہ کو یاد کرنا بہت۔'' [۳۳/۴۱] کہیں فرمایا کہ ''اور قائم کر نماز کو واسطے میری یاد کے۔'' [۲۰/۱۴] یہ آیات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت و مغفرت کا اظہار ہیں یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہتا ہے کہ اشرف المخلوقات مجھے یاد کر کے اور یاد رکھ کر جہنم کے عذاب سے بچ جائے۔

دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رأفت ورحمت کا اظہار کچھ یوں فرمایا: ''پس چکھو بسبب اس کے کہ بھول گئے تھے تم ملاقات اپنے اس دن کی کو، تحقیق ہم بھول گئے تم کو اور چکھو عذاب ہمیشہ کا۔'' [۳۲/۱۴] ''اور جس نے منہ پھیرا یاد میری سے پس تحقیق واسطے اس کے معیشت ہے تنگ اور اٹھاویں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا۔ وہ کہے گا: اے رب میرے! کیوں اٹھایا مجھ کو اندھا اور تحقیق تھا میں دیکھنے والا۔ کہے گا ......اللہ تعالیٰ ......اسی طرح آ ئیں تجھیں تیرے پاس نشانیاں ہماری پس بھول گیا تو ان کو اور اسی طرح آج بھلایا جائے گا تو۔'' [۲۰/۱۲۴،۱۲۵] ''اور مت ہو مانند ان لوگوں کے کہ بھول گئے اللہ کو پس بھلا دی اللہ نے اُن کو مصلحت اُن کی جانوں کی۔'' [۵۹/۱۹] اس مفہوم کی دیگر آیات بھی قرآنِ حکیم میں موجود ہیں جن کا مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر انسان کو......عموماً اور مسلمان کو خصوصاً...... ہر لمحہ، ہر گھڑی، ہر ساعت، ہر قدم اور ہر منزل پر اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا چاہیے اور یاد نہ رکھنے پر وعید کا ذکر سورۂ انعام میں یوں فرمایا کہ ''کہہ وہ قادر ہے اوپر اس کے کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر تمہارے سے یا نیچے پاؤں تمہارے کے سے یا ملا دیوے تم کو گروہیں مختلف کر کر اور چکھاوے بعضے تمہارے کو لڑائی بعض کی۔'' [۶/۶۵] یہ تو محض چند آیات ہیں وگرنہ اس معنی ومفہوم کی آیات واحادیث تو بے شمار ہیں۔

ان آیات کے ذکر کرنے کی غرض یہ ہے کہ ہم پاکستانی ہونے کی حیثیت سے اپنی معاشرتی ومعاشی زندگی پر غور کریں اور گریبان میں جھانک کر سوچیں کہ ہم ......یعنی حکومت، عوام، لیڈر، علماء، دانشور......اللہ تعالیٰ کو کس قدر یاد کرتے اور رکھتے ہیں؟ اس کو یاد کرنے کا حق کہاں تک ادا کرتے ہیں؟ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اس کو بھول چکے اور روز بہ روز بھولتے چلے جا رہے ہیں؟ اس کو بھول جانے کے سبب کہیں ہم اپنے آپ کو تو نہیں بھول رہے؟ کیوں کہ ہم حق کہنا بھول چکے، حق بات تسلیم کرنا بھول گئے، ہم رب سے، رسول (ﷺ) سے ایمان لاتے وقت کے وعدے بھول گئے اور قوم سے ایک بار نہیں کئی بار وعدے کر کے ہر بار بھول جاتے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے وقت مسلمانوں سے کیا وعدے کیے گئے؟ قیامِ پاکستان کے بعد ہر آنے والے حاکم نے قوم کو امن، انصاف، ضروریاتِ زندگی اور روزگار دینے کا وعدہ کیا، لیکن کس نے پورا کیا؟ کیا سیاسی جماعتیں ووٹ لینے کے لیے سابقہ حکم رانوں کی طرح سارے وعدے پس پشت نہیں ڈال دیتیں؟ اسی طرح بعض دینی سیاسی جماعتیں بھی اسلام کے نفاذ کے وعدے کرتی رہیں لیکن اس پر عمل؟ وہ جماعتیں اب تک قوم اور وطن کو دیگر غیر مسلم ممالک پر قیاس کرتی رہیں یعنی صرف امر بالمعروف کو ہی فرض جانتے رہے، اور نہی عن المنکر کے حوالے سے وہ اب تک ......یعنی قیامِ پاکستان کے ساٹھ سال پورے

ہونے کے بعد بھی ...... مصلحت کیشی کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ نظامِ اسلامی کے نفاذ کی دعوے دار یا خواہش مند جماعتیں نصوص صریحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی حرام کردہ اشیاء......شرک، نفاق، تصویر سازی، سود، بیمہ، غیر اللہ کی طرف شدرحال اور اعداء اللہ سے دوستی وراز داری...... کے سلسلے میں تاویلیں تراشتی اور جواز کے فتوے تلاش کر کے نہی عن المنکر کے فرض سے غفلت کا ارتکاب کرتی رہیں۔

جب کہ سیکولر......لا مذہب......سیاسی جماعتیں دینی علم سے بے بہرہ ہونے کے باعث ان انسانی ضروریات کے مہیا کرنے کا وعدہ کرتی رہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شانِ ربوبیت کے لائق ہیں۔ دنیا میں ہر مخلوق کے رزق کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اس پر قرآنِ کریم کی بے شمار آیات شاہد ہیں اور دنیا میں ہر انسان مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی مخلوق کو رزق کس کس طرح پہنچاتا ہے۔ پتھروں کے کیڑوں اور حشرات الارض کو اُن کی بلوں میں رزق دیتا ہے۔ صبح دم خالی پیٹ اڑنے والے پرندے رات سیر ہو کر گھونسلوں میں واپس آتے ہیں۔ خشکی کی مخلوق کے علاوہ سمندر، دریا اور تالابوں کی مخلوق تک کو اُن کی روزی بھی اللہ تعالیٰ ان کو پہنچاتا ہے جب کہ ہماری سیاسی جماعتیں رزق روزی دینے کے بلند بانگ دعوے اس طرح کرتی ہیں کہ تم ......عوام...... ہم یا ہماری جماعت کو ووٹ دو تو ہم تم کو روٹی، کپڑا اور مکان دیں گے جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ انسان کی ان سب ضرورتوں کا ذمہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اٹھا چکا ہے۔

یہ سیاسی جماعتیں اور ان کے لیڈر انسانی تاریخ کے عروج وزوال کا مطالعہ نہیں کرتے اگر یہ پڑھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں تو انھیں سرزمین مصر پر بسنے والوں کے سامنے دعوائے ربوبیت کرنے والے حاکم کے اندازِ حکم رانی کا علم بھی ہو جائے گا اور اگر وہ چاہیں تو اس کے انجام سے عقل اور عبرت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ عبرت حاصل کرنے سے ہم، ہمارے حکم ران لیڈر علماء اور دانش وراس لیے محروم ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چھوڑ دیا۔ ہم اس کے ذکر سے غافل ہو گئے، ہم اس کو بھول گئے۔ اس لیے اب ڈر یہ ہے کہ وہ بھی ......اللہ نہ کرے...... ہم کو بھول جائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ زلزلے آرہے ہیں، سوا نیزے کی گرمی پڑ رہی ہے۔ قیامت خیز بارشیں ہو رہی ہیں، دھماکے ہو رہے ہیں۔ ناحق جانوں کے خون کے بوجھ سے حکم رانوں کی گردنیں بھاری ہو رہی ہیں، پانی کی قلت قحط کی وارننگ دے رہی ہے۔ آٹے کی نایابی سے بھوک کے سائے منڈلانے لگے ہیں۔ امن کے فقدان اور انصاف کا عنقا ہونا اس کی ناراضی کے مظہر نہیں تو اور کیا ہیں۔ لیکن ہمیں رب السموات والارض، مالک الملک تو یاد نہیں آتا عالمی طاقتیں یاد آتی ہیں، کاروباری مندی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن نہیں یاد آتی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یاد نہیں آتی، اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کی طرف تو ہماری توجہ ہی نہیں جاتی۔ ہم من حیث القوم اس ذاتِ باری تعالیٰ کو بھول چکے ہیں جو ہمارے دماغ سے ہر گزرنے والی لہر کا بھی ادراک رکھتی ہے۔

لہٰذا ان صفحات کے ذریعہ ہم اولاً وارثانِ منبر ومحراب یعنی علمائے کرام کی خدمت میں، پھر سیاسی ومذہبی جماعتوں کے قائدین سے، وطن عزیز کے حکم رانوں اور آخر میں عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ ہم ربّ رحیم وکریم کی رحمت کو جوش دلانے کے لیے اس سے اپنے گناہوں پر استغفار طلب کریں اور گزشتہ حکم رانوں کے ظلم وجور پر خاموش رہنے کے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اس سے معافی مانگیں اور ان سے لاتعلقی کا اظہار کریں اور پھر بار بار بلکہ صد بار اس سے مغفرت طلب کریں ان شاءاللہ وہ رحیم ہے ضرور رحم کرے گا، وہ کریم ہے ضرور کرم کرے گا۔ آہ! اقبال کا اظہار بندگی کس موقعے پر یاد آ گیا ؎

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا — پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر — لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

قرآنِ مجید اور بخاری و مسلم سے ماخوذ احکام

الاحکام الصحیح

ابن بشیر الحسینوی

قارئین کرام کی خدمت میں ضروری گزارش ہے کہ ہم نے جو الاحکام الصحیحہ کا ماخذ صرف قرآنِ مجید اور صحیحین مقرر کیا تو اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ باقی صحاح اور سنن کو ہم غیر مستند مانتے ہیں۔ نہیں نہیں! ایسی کوئی بات نہیں بلکہ ہر صحیح حدیث ہمارے لیے قطعی حجت اور روشنی کا مینار ہے چاہے کسی بھی حدیث کی کتاب میں ہو۔ یہ تو عام لوگوں کے لیے مختصر انداز میں ایک کاوش ہے تاکہ انھیں ان ضروری احکام کا علم ہو جائے جو قرآنِ مجید اور بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ اس بات پر ہماری چند کتب شاہد ہیں۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سلسلۃ الاحکام الصحیحہ جو کم سے کم تین جلدوں پر مشتمل ہے لکھ رکھا ہے جس میں قرآنِ مجید اور تمام کتب احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک منفرد انداز میں اختصار کر کے احکام جمع کر دیئے ہیں۔ والحمد للہ علی ذلک

اللہ تعالیٰ ہماری ہر محنت کو قبولیت بخشے، آمین۔

طہارت کے احکام

طہارت حاصل کرنے کے ذرائع:

طہارت حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں: ① پانی، ② مٹی

یعنی ناپاکی کو دور کرنا ہو تو پانی استعمال کیا جائے گا یا مٹی۔ ان کی ضروری تفصیل درج ذیل ہے:

پانی کے احکام

پاک پانی کی قسمیں:

①......بارش کا پانی [بخاری:۱۰۳۲]

②......برف کا پانی [مسلم: ۹۶۳/ ۲۲۳۲]

③......اولوں کا پانی [مسلم: ۹۶۳/ ۲۲۳۲]

④......نہروں کا پانی [بخاری: ۲۳۷۱]

⑤......کنویں کا پانی [بخاری: ۲۳۶۳۔ مسلم:۲۲۴۴]

⑥......زمزم کا پانی [بخاری:۵۶۱۷، ۳۴۹]

پاک پانی کی قسموں میں سے یہ بھی ہیں:

⑦......سمندروں کا پانی [فاطر:۱۲]

⑧......چشموں کا پانی [البقرۃ:۶۰، ۷۴]

⑨......سیلاب کا پانی [السجدۃ:۲۷]

نوٹ: اس پر ہم نے ایک تفصیلی کتاب بھی لکھ رکھی ہے تفصیل کا طالب اس کی طرف مراجعت کرے۔

مستعمل پاک پانی کی قسمیں:

①......وضو کے بعد برتن میں بچا ہوا پانی۔

[بخاری: ۱۹۰، ۱۸۷]

②......اس برتن کا پانی جس سے پہلے کوئی نہایا ہو۔

[مسلم:۳۲۳]

③......وہ پانی جس میں پاک چیز ملا دی گئی ہو۔

[بخاری: ۱۲۵۸۔ مسلم: ۹۳۹]

④......اسی طرح وہ پانی (یا سیال) جس میں مکھی گر جائے تو وہ پانی (یا سیال) پاک ہے اور مکھی کو غوطہ دے کر باہر نکال کر پھینک دینا

چاہیے۔ [بخاری: ۳۳۲۰] [1]

ناپاک پانی کی قسمیں: [2]

کتے کا جھوٹا پانی۔ [مسلم: ۲۷۹] [3]

کون سی نجاستوں کو پانی سے پاک کیا جاتا ہے؟ [4]

① ...... پانی سے استنجا۔ [بخاری: ۱۵۰، ۱۵۲۔ مسلم: ۲۷۰]

② ...... پیشاب پر پانی بہادینے سے جگہ پاک ہوجاتی ہے۔

[بخاری: ۲۱۹]

③ ...... دودھ پیتا بچہ اگر کپڑوں پر پیشاب کردے تو اس پر پانی کے چھینٹے مارے جائیں۔ [بخاری: ۲۲۳۔ مسلم: ۲۸۶، ۲۸۷] [5]

④ ...... جب مرد یا عورت ناپاک ہوجائیں تو غسل کے ذریعے سے پانی سے ہی طہارت حاصل کی جاتی ہے۔

[بخاری: ۲۵۰، ۲۶۱۔ مسلم: ۴۷۴]

⑤ ...... جب آدمی بے وضو ہوجائے تو وضو کے ذریعے پاکی حاصل کی جاتی ہے۔ [بخاری: ۱۳۵۔ مسلم: ۲۲۴، ۲۲۵]

⑥ ...... یادرہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا چمڑہ رنگنے سے پاک ہوتا ہے۔ [مسلم: ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶]

مٹی کے احکام [6]

مٹی کے ذریعے بھی ناپاکی کو دور کیا جاتا ہے اسے اصطلاح میں تیمّم کہا جاتا ہے۔ امت مسلمہ کے لیے مٹی کو پاک کرنے والی بنادیا گیا ہے۔ [مسلم: ۵۲۳] اور یہ مٹی وضو کے قائم مقام ہے۔ [مسلم: ۵۲۲] اس کا استعمال کچھ شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

مٹی سے پاکی حاصل کرنے کی شرطیں:

① ...... تیمّم کرنے کے لیے پانی کا موجود نہ ہونا شرط ہے۔

[بخاری: ۳۳۴۔ مسلم: ۵۲۲]

② ...... کسی بیماری کی وجہ سے (جس میں پانی استعمال نہ کرنا ہو) بھی مٹی سے تیمّم کرنا جائز ہے۔ [النساء: ۴۳]

③ ...... جس مٹی سے تیمّم کرنا ہے وہ پاک ہو۔ [النساء: ۴۳]

کون سی نجاستوں کو مٹی سے پاک کیا جاتا ہے؟

① ...... بے وضو کی حالت میں وضو کی جگہ تیمّم کرنا۔ [مسلم: ۵۲۲]

② ...... جنابت کی حالت میں مٹی سے تیمّم کرنا کافی ہے۔

[بخاری: ۳۴۴۔ مسلم: ۶۸۲]

③ ...... مٹی سے استنجا کرنا۔ [بخاری: ۱۵۵]

④ ...... اگر کتا کسی کے برتن میں پانی (وغیرہ) پی لے تو برتن کو سات بار دھوڈالے اور پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھے۔

[بخاری: ۱۷۲۔ مسلم: ۲۷۹/۶۵۱]

سات مرتبہ پانی سے دھویا جائے اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھا جائے یہ بھی صحیح ہے۔ [مسلم: ۲۸۰]

قضائے حاجت کے احکام:

امام کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو قضائے حاجت کے احکام سکھائے۔

[مسلم: ۲۶۲]

بعض وہ جگہیں جہاں قضائے حاجت کے لیے بیٹھنا منع ہے:

① ...... لوگوں کے راستے پر جہاں سے وہ گزرتے ہیں۔

(۱) ...... تمام حشرات الارض کیڑے مکوڑوں کا یہی حکم ہے جن میں بہنے والا خون نہیں ہے خواہ وہ پانی میں مر بھی جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ [دیکھئے کتاب الطہور للامام ابی عبدالقاسم بن سلام تحت، ح: ۱۹۰]

(۲) ...... وہ پانی جو نجاست کی وجہ سے رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل کرچکا ہو۔

(۳) ...... اسی طرح وہ جانور جو نجس العین ہو اس کا جھوٹا بھی ناپاک ہے، مثلاً خنزیر۔ [صحیح ابن خزیمہ، قبل حدیث ۱۰۲]

(۴) ...... عام نجاستوں کو صرف پانی سے پاک کیا جاتا ہے۔ [دیکھئے الصحیحہ: ۱/ ۲۹۹، ۳۰۰]

(۵) ...... لیکن اگر لڑکی پیشاب کردے تو وہ دھویا جائے گا۔ [ابوداود: ۳۷۵۔ ابن ماجہ: ۵۲۲ حسن]

(۶) ...... ہم نے ''زمین کے احکام'' پر ایک تفصیلی کتاب لکھی ہے تفصیل کا طالب اس کی طرف رجوع کرے۔

۲......سایہ دار جگہ پر جہاں لوگ سایہ میں بیٹھتے ہیں۔
[مسلم:۲۶۹]

پردے کا اہتمام کر کے قضائے حاجت کرنی چاہیے:

کسی کی موجودگی میں چار دیواری وغیرہ کے پردے میں ہو کر پیشاب کرنا چاہیے۔ [بخاری:۲۲۵۔ مسلم:۳۴۲]

خواہ کسی کو کہا جائے کہ وہ میرے پیچھے کھڑا ہو جائے۔[مسلم:۲۷۳]

پیشاب لوگوں سے چھپ کر کرنا بھی صحیح ہے۔ [مسلم:۲۷۴/۶۲۹]

کسی کی روڑی کے پاس کسی کی موجودگی میں پیشاب کرنا صحیح ہے۔ [بخاری: ۲۲۶۔ مسلم:۲۷۳]

قضائے حاجت کے آداب:

۱......بیت الخلاء میں پانی کا اہتمام ہونا چاہیے۔[بخاری:۱۴۳]

۲......بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ۔

[بخاری: ۱۴۲۔ مسلم:۳۷۵]

یا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ۔

[مسلم:۳۷۵/ ۸۳۲]

۳......قضائے حاجت کرتے وقت بیت اللہ کی طرف نہ چہرہ کیا جائے اور نہ پیٹھ۔ [بخاری:۱۴۴۔ مسلم:۲۶۲،۲۶۵]

پیشاب کرتے ہوئے بھی بیت اللہ کی طرف نہ چہرہ کیا جائے اور نہ پیٹھ۔ [مسلم:۲۶۴]

۴......بیت الخلاء کا گھر میں اہتمام کرنا بھی صحیح ہے۔
[بخاری:۱۴۸]

۵......عورتیں قضائے حاجت کے لیے رات کو گھر سے باہر جاسکتی ہیں۔ [بخاری:۱۴۶،۱۴۷]

۶......پیشاب کی جگہ پر پانی بہادینا چاہیے۔
[بخاری:۲۲۰۔مسلم:۲۸۴]

۷......کھڑے پانی میں پیشاب نہیں کرنا چاہیے۔[بخاری:۲۳۹]

۸......کھڑے ہو کر پیشاب کرنا (یہ صرف جواز کی حد تک ہے بشرطیکہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچا جائے) ثابت ہے۔
[بخاری: ۲۲۰،۲۲۴۔ مسلم:۲۷۳]

۹...... اگر وہ بچہ جو ابھی کھانا نہیں کھاتا کپڑے پر پیشاب کردے تو اس پر پانی کا چھینٹا ماردینا کافی ہے، نہ کہ اسے دھویا جائے گا۔
[بخاری:۲۲۳۔ مسلم:۲۸۶،۲۸۷]

۱۰......پیشاب کرتے ہوئے کسی کو ڈانٹ کر اٹھانا نہیں چاہیے۔
[بخاری: ۲۱۹۔ مسلم:۲۸۴]

۱۱...... پیشاب کے چھینٹوں سے بچنا ضروری ہے کیوں کہ اس سے نہ بچنے کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے۔[بخاری:۲۱۶۔ مسلم:۲۹۲]

۱۲...... پیشاب کرتے ہوئے اگر کوئی سلام کہہ دے تو اس کا جواب نہیں دینا چاہیے۔ [مسلم:۳۷۰]

۱۳......سفر میں قضائے حاجت کے لیے جانے سے پہلے اپنے ساتھی سے پوچھ لو کہ اس کے پاس پانی ہے تاکہ وہ بعد میں وضو کر کے نماز پڑھ سکے۔[مسلم:۲۷۴/۶۳۱]

۱۴......مساجد پیشاب کرنے اور گندگی کے لیے نہیں بنائی گئیں۔
[مسلم:۲۸۵]

۱۵...... پیشاب کرتے وقت ذکر کو دائیں ہاتھ سے نہیں پکڑنا چاہیے۔ [بخاری:۱۵۴۔ مسلم:۲۶۷][1]

شرم گاہ کو لوگوں کے دیکھنے سے محفوظ رکھنا چاہیے:

شرم گاہ کی حفاظت کا اہتمام کرنا کہ کہیں کوئی اسے دیکھ نہ لے۔
[مسلم:۳۴۰]

اگر آدمی نے سر پر کوئی بوجھ رکھا ہوا ہے اسی حالت میں اس کا تہبند کھل جائے تو اسے اسی وقت تہبند باندھنا چاہیے یہ نہ کہے کہ اپنی منزل پر بوجھ کو اتار کر ہی تہبند کو پکڑ لوں گا اور پھر باندھوں گا کیوں کہ ننگا چلنا منع ہے۔ [مسلم:۳۴۱] [جاری ہے]

(۱)......بیت الخلاء سے نکلتے وقت کہنا چاہیے: ''غفرانک'' [ابوداود: ۳۰۔ترمذی:۷۔اس کو حاکم:۱/ ۱۵۸، ذہبی ابن خزیمہ:۱/ ۴۸، ابن الجارود:۴۲، اور نووی المجموع:۲/۹۰ نے صحیح کہا ہے۔]

انمول جواہرات

شیخ عمر فاروق

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں چار چیزیں میسر ہوں تو دنیا کی کسی چیز سے بھی محرومی تمہارے لیے گھاٹے کی بات نہیں:

①......امانت کی حفاظت [حِفْظُ اَمَانَةٍ]، ②...... سچی بات کہنا [صِدْقُ حَدِيْثٍ]، ③......خوش اَخلاقی [حُسْنُ خَلِيْقَةٍ]، ④......حلال روزی [عِفَّةٌ فِيْ طُعْمَةٍ]

مندرجہ بالا دو باتوں پر گزشتہ دروس میں گفتگو ہو چکی ہے۔ آج کے درس کا عنوان خوش اَخلاقی ہے۔

لغت:

خَلْقٌ (خ کی زبر کے ساتھ) اور خُلقٌ (خ کی پیش کے ساتھ) دونوں حرفوں کا مادہ ایک ہی ہے مگر معنوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا لفظ (خَلْقٌ) بمعنی خلقت یعنی شکل وصورت پر بولا جاتا ہے جس کا تعلق اِدراک بصر (یعنی دیکھنے کی قوت) سے ہوتا ہے اور دوسرا لفظ (خُلقٌ) قوائے باطنہ یعنی انسانی عادات وخصائل سے اُس کا اظہار ہوتا ہے اور معاشرتی زندگی میں انسانوں کے درمیان معاہدات ومعاملات کی پاس داری اور پابندی، صداقت وامانت داری کے اصولوں کی حفاظت اور نگہبانی، احسان ومروّت کا رویہ، ایثار وقربانی کا جذبہ، تواضع وخاکساری کا وطیرہ، کلام میں نرمی اور شائستگی، آپس کے دکھ درد میں شرکت، خوشی اور غمی میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا وغیرہ یہ تمام باتیں اخلاقیات کا حصہ ہیں۔

حسن صورت اور حسن سیرت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حسن صورت سے نوازا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ [التین: ٩٥/٤]

''ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا۔''

اس پر حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اُس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے، صرف انسان کو دراز قامت، سیدھا بنایا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے۔ پھر اِس کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا، اُن میں جانوروں کی طرح بے ڈھنگا پن نہیں ہے۔ ہر اہم عضو دو دو بنائے اور اُن میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا۔ پھر اُس میں عقل وتدبر، فہم وحکمت اور سمع وبصر کی قوتیں ودیعت کیں۔ [احسن البیان]

انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے، اس فضیلت کا ذکر مندرجہ ذیل آیہ مبارکہ سے بھی ہوتا ہے:

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ١٧/٧٠]

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور انھیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انھیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں عطا کیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت اور برتری سے نوازا۔''

''یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے۔ جس طرح شکل وصورت، قد وقامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں، جو عقل انسان کو دی گئی ہے اس کے ذریعے سے اُس

نے اپنے آرام وراحت کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں اسی عقل سے وہ غلط وصحیح، مفید ومضر اور حسین وقبیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے۔ اسی عقل کے ذریعے سے وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا ہے اور انھیں اپنا تابع رکھتا ہے۔ اسی عقل وشعور سے وہ ایسی عمارتیں تعمیر کرتا، ایسے لباس ایجاد کرتا اور ایسی چیزیں تیار کرتا ہے جو اُسے گرمی کی حرارت سے اور سردی کی برودت سے اور موسم کی دیگر شدتوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں کائنات کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ چاند، سورج، ہوا، پانی اور دیگر بے شمار چیزیں ہیں جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے۔ خشکی میں وہ گھوڑوں، خچروں، گدھوں اور اونٹوں، اپنی تیار کردہ سواریوں (ریلیں، گاڑیاں، بسیں، ہوائی جہاز، سائیکل اور موٹر سائیکل وغیرہ) پر سوار ہوتا ہے اور سامان لاتا اور لے جاتا ہے۔

انسان کی خوراک کے لیے جو غلہ جات، میوے اور پھل ربّ کائنات نے پیدا فرمائے ہیں اور اُن میں جو لذتیں ذائقے اور قوتیں رکھی ہیں، انواع واقسام کے یہ کھانے، یہ لذیذ ومرغوب پھل اور یہ قوت بخش اور مفرح مرکبات ومشروبات اور خمیرہ جات اور معجونات، انسان کے علاوہ اور کس مخلوق کو حاصل ہیں۔'' [تفسیر احسن البیان]

غرض یہ کہ مہربان مولا وآقا نے انسان کو اَن گنت نعمتوں سے نوازا ہے اور اُس کے جسم کی نشوونما کا بہترین انتظام فرمایا ہے:

﴿ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا ﴾

[ابراھیم: ۱۴/ ۳۴]

''(اے انسانو!) اگر اللہ کے احسانات گننے لگو تو شمار نہ کر سکو۔''

اُس مہربان ربّ کی رحمت سے یہ بات بعید تھی کہ اس بہترین مخلوق کی روحانی غذا کے لیے وہ سروسامان نہ کرتا ہے۔ انسان کو جب روحانی غذا ملتی ہے اور وہ صحت منداور توانا ہوتی ہے تو اُس کے اَخلاق سنورتے ہیں، جس سے احسان ومروّت کے پھول کھلتے ہیں، نیکی اور شرافت کے چمن لہلہاتے ہیں، جن کی مہک سے معاشرتی زندگی میں بہار آجاتی ہے۔ ایسے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہوتے ہیں، بڑوں کی عزت ہوتی ہے، چھوٹوں پر شفقت ہوتی ہے، عدل وانصاف کا سکہ رواں ہوتا ہے۔

امانت اور دیانت داری کی راجدھانی قائم ہوتی ہے، چادر اور چار دیواری کی حفاظت ہوتی ہے، لوگ ایک دوسرے کے حقوق کے پاسبان ہوتے ہیں، شکر گزاری اُن کا شیوہ اور اطاعت گزاری اُن کی طینت ہوتی ہے۔ اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم نے کتنے مختصر اور جامع الفاظ میں کر دیا ہے:

﴿ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ وَ اشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴾ [سبا: ۳۴/ ۱۵]

''اپنے ربّ کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اُس کا شکر ادا کرتے رہو، یہ عمدہ شہر ہے اور وہ بخشنے والا ربّ ہے۔''

اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے، یہ اتنا پاکیزہ اور خوب صورت نام ہے کہ اِس کے نام سے ہی امن اور سلامتی کی خوشبو اٹھ رہی ہے۔ اسلام کا مادہ (س ل م) ہے جو صحت وعافیت، اور حفاظت وسلامتی کا مفہوم دیتا ہے۔ (سَلِمَ، يَسۡلَمُ، سَلَامَةً وَسَلَامًا) آفات وغیرہ سے محفوظ رہنا، بچے رہنا، چھٹکارا پانا، سلامتی حاصل کرنا۔

[القاموس الوحید]

اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی تعریف اِس طرح فرمائی ہے:

((اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ))

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' [بخاری: ۱۰۔ مسلم: ۹]

یعنی حقیقت میں مسلمان وہ ہے جو نہ تو کسی پر دست درازی کرتا ہے اور نہ ہی زبان درازی۔

اخلاق کا اکمل ترین نمونہ:

غور کیجیے کہ ربّ العالمین کو اچھے اخلاق اتنے پسند ہیں کہ اپنے بندے خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی اس طرح تعریف فرمائی ہے:

﴿ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ [القلم: ٤/٦٨]

''اور لاریب آپ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں۔''

مولانا محمد حنیف ندوی اِس آیہ مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''یہاں ''خلق'' سے مراد وہ عادات واطوارِ حسنہ ہیں جن کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے کردار وسیرت میں سمو کر دکھایا۔ ''عظیم'' سے یہ مقصود ہے کہ خرد وخیر کی تکمیل وجامعیت کا کوئی بھی نقشہ ترتیب دیجیے ایک ایک نیکی اور خوبی تصور کیجیے اور پھر دیکھئے کہ جامعیت اور توازن کے ساتھ بجز نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے تاریخ میں کوئی اور شخص اُن کا حامل نظر آتا ہے۔

مزید برآں یہ خلق عظیم جو آپ کا خاصہ ہے صرف آپ کی ذات ہی کی حد تک سمٹا ہوا نہیں بلکہ اس کی تاثیر نفوذ کا یہ کرشمہ ہے کہ آپ نے ایسے مثالی معاشرے کی تشکیل کی جس کا ایک ایک فرد آفتاب وماہتاب کی طرح تاریخ کے اوراق میں دمک رہا ہے اور رضائے الٰہی کی شہادت وسند کا سزاوار ہے۔ [لسان القرآن، ج:۲]

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے، خادم کو اُس کے کام کاج میں مدد دیتے، بازار سے چیز خود جا کر خرید لیتے خود اُسے اٹھا لیتے، ہر ادنیٰ واعلیٰ، خُرد وبزرگ کو سلام پہلے کر دیا کرتے، جو کوئی ساتھ ہو لیتا اُس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے، غلام وآقا، حبشی وترکی میں ذرا تفاوت نہ کرتے، مویشی کو چارہ خود ڈال دیتے، اونٹ باندھتے، گھر میں صفائی کر لیتے، بکری دوھ لیتے، کیسا ہی کوئی معمولی اور غریب شخص دعوت کے لیے کہتا قبول فرما لیتے، جو کچھ کھانا سامنے رکھ دیا جاتا اُسے برغبت کھاتے، رات کے کھانے میں صبح کے لیے اور صبح کے کھانے میں سے شام کے لیے اٹھا نہ رکھتے، نیک خو، کریم الطبع، کشادہ رو تھے مگر ہنستے نہ تھے۔

اندوہگیں تھے (لوگوں کے لیے درد اور غم رکھنے والے) مگر ترش رو نہ تھے۔ متواضع (خاکسار) جس میں دنائت نہ تھی (طبیعت کی پستی اور کمینگی) باہیبت (بارعب) جس میں دُرشتی (سختی) نہ تھی۔ سخی تھے مگر اسراف (فضول خرچی) نہ تھا۔

ہر ایک پر رحم فرمایا کرتے، کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے، گویا کہ عجز وخاکساری کا نمونہ تھے۔ [کیمیائے سعادت، بحوالہ رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری]

حکیم الامت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

''جو کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے یکبارگی آجاتا، وہ (چہرے کی وجاہت وجلال) سے ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو کوئی پاس آبیٹھتا وہ فدائی بن جاتا (کہ زبانِ مبارک کی مٹھاس دِل پر نقش کر جاتی) کنبہ والوں اور خادموں پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک خدمت کی، اس عرصہ میں انھیں کبھی اُف (ہونھ) تک نہ کہا۔ زبان مبارک پر کوئی ناروا بات یا گالی نہیں آتی تھی اور نہ کسی پر طعن کرتے، دوسروں کی اذیت وآزار پر نہایت صبر کیا کرتے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم فرماتے، ہاتھ یا زبانِ مبارک سے کبھی کسی کو تکلیف نہ ہوئی۔ کنبہ کی اِصلاح اور قوم کی درستی پر نہایت توجہ فرماتے۔ ہر شخص اور ہر چیز کی قدر ومنزلت سے آگاہ تھے۔ ربّ کائنات کی جانب ہمیشہ نظر لگائے رکھتے تھے۔ [حجۃ اللہ البالغہ، بحوالہ رحمۃ للعالمین]

رسول اللہ ﷺ مطیع اور فرماں بردار بندوں کو (کامیابی کی) بشارت پہنچاتے، عاصی اور گنہگار کو (عذاب) کا ڈر سناتے، جملہ معاملات کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینے والے، نہ درشت خو، نہ سخت گو، بدی کا بدلہ ویسا نہ لیتے، معافی مانگنے والے کو معاف فرمایا کرتے، ان کا کام غلط مذاہب کو درست کر دینا تھا (دین اسلام کو اجاگر اور روشن کرنا تھا) اُن کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان دیتی، غافل دلوں کے پردے اٹھا دیتی، رسول اللہ ﷺ ہر ایک خوبی سے آراستہ جملہ اخلاقِ فاضلہ سے متصف، سکینت اُن کا لباس، نیکی اُن کا شعار، تقویٰ اُن کا ضمیر، حکمت اُن کا کلام، عدل ان کی سیرت ہے۔ اُن کی شریعت سراپا راستی، اُن کی ملت اسلام ہے۔ ہدایت اُن کی رہنما ہے، وہ ضلالت کو اٹھا دینے والے، گمناموں کو رفعت بخشنے والے، مجہولوں کو نامور کر دینے والے تھے۔ [بحوالہ رحمۃ للعالمین]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سہواً یا ارادۃً بھی فحش بات منہ سے نہ نکالتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ [متفق علیہ، ریاض الصالحین، باب حسن الخلق]

اچھے اخلاق کو اختیار کرنے والوں کو آپ نے یہ خوش خبری سنائی:

((مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ)) [رواہ الترمذی، رقم: ۲۰۰۲۔ ریاض الصالحین حوالہ ایضاً]

''روزِ جزا بندہ مومن کے میزانِ عمل میں سب سے وزنی چیز اچھے اخلاق ہوں گے۔''

پھر اچھے اخلاق اختیار کرنے پر جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت ومعیت کی نوید سنائی گئی۔

" اِنَّ اَحَبَّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبَکُمْ مِنِّیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ أَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَکُمْ مِنِّیْ مَسَاوِیُکُمْ ۔" [مشکوۃ، کتاب الآداب رواہ البیھقی فی شعب الایمان والترمذی: ۲۰۱۸ وحسّنہ]

''تم میں میرا سب سے زیادہ محبوب اور آخرت کی رفاقت میں مجھ سے زیادہ قریب ترین وہ شخص ہوگا جو خوش خلق ہے اور میرے لیے سب سے ناپسندیدہ اور قیامت میں بعید ترین وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق برے ہیں۔''

اَللّٰھُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ ۔

''اے اللہ! جس طرح آپ نے میری شکل وصورت اچھی بنائی ہے، مجھے اخلاق حسنہ سے بھی آراستہ فرمادیجیے۔''



شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز کے لیے دعائے صحت

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز صاحب حفظہ اللہ ان دنوں شدید علیل ہیں۔ مختلف عوارض اور جوڑوں کے درد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے چلنے پھرنے میں شدید دشواری ہے۔ احباب وقارئین سے موصوف کی صحت وتندرستی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ کانفرنس

مرکزی جامع مسجد اہل حدیث مجاہد آباد مغل پورہ لاہور ۴ جولائی بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب بسلسلہ ناموس رسالت ﷺ کانفرنس ہوگی۔ مقررین: مولانا عبدالعزیز راشد، ڈاکٹر عبدالحفیظ فاروقی، رانا نصر اللہ خان، ودیگر خطاب کریں گے۔ [مولانا خالد جاوید محمدی، خطیب مسجد ہذا]

قارئین الاعتصام کی خدمت میں گزارش

ہفت روزہ الاعتصام کے قارئین گرامی کی خدمت میں گزارش ہے کہ محکمہ ڈاک نے وی پی اور منی آرڈر فیس میں یکم فروری 2008ء سے اضافہ کر دیا تھا۔ قوانین کے مطابق منی آرڈر کی فیس مبلغ پچاس روپے رکھی گئی ہے۔ اسی طرح وی پی فیس میں بھی اضافہ کر دیا گیا تھا۔

قارئین الاعتصام سے التماس ہے کہ وہ سالانہ چندے کی اطلاع ملنے پر رقم بذریعہ منی آرڈر دفتر الاعتصام میں بھیج دیا کریں۔ اس طرح انھیں وی پی کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ اگر ادارہ وی پی الاعتصام بھیجے تو ایک طرف تو ادارے کو وی پی فیس دینا پڑتی ہے اور دوسری طرف پوسٹ مین حضرات وی پی فارم کے چارجز قارئین سے بھی وصول کرتے ہیں۔ اس طرح دوہری فیس صرف ہوتی ہے۔

احباب اپنی چندے کی رقم نقد، بذریعہ چیک یا ڈرافٹ یا بذریعہ منی آرڈر دفتر بھیج دیا کریں۔ جزاکم اللہ خیراً

[ادارہ الاعتصام 31 شیش محل روڈ۔ لاہور]

خواتین ایکٹ......اغراض ومقاصد،نتائج ومضمرات

حافظ صلاح الدین یوسف،مشیر وفاقی شرعی عدالت،پاکستان

ایک اخباری تبصرہ ملاحظہ ہو:

”دوغریب لڑکیوں سے جبری زیادتی یعنی Rape کا ایک کیس سامنے آیا۔ دونوں مظلوم لڑکیاں بیان درج کروانے عدالت پہنچ گئیں اور وہاں زاروقطار روتی رہیں۔اس واقعے کی خبر اخبارات میں اس لیے چھپ گئی ہے کہ تحفظ خواتین آرڈی نینس ابھی سینیٹ سے پاس نہیں ہوا ہے۔ یہ قانون پاس ہوکر نافذ ہونے دیں پھر دیکھئے گا کہ ریپ کی شکار کس عورت میں اتنی ہمت ہوتی ہے کہ وہ انصاف کے لیے فریاد کرے اور اخبارات میں خبر چھپوائے؟ بہرحال دوچار دن کی بات ہے ایسی خبریں خلاف قانون قرار پائیں گی۔“

ایک اوراخباری کالم ملاحظہ ہو:

”یہ بل خواتین اوران کے دوست مردوں کے حق میں ہے یانہیں یہ پولیس کے خلاف ضرور ہے۔ بظاہر یہی لگتا ہے کہ اس زنانہ ومردانہ تعلق اور رابطے میں پولیس کو دخل اندازی میں مشکل پیش آئے گی اور ایسی خبریں بند ہوجائیں گی جن میں بتایا جاتا ہے کہ کل رات فلاں ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس پر چھاپہ مار کر اتنی عورتوں اور اتنے مردوں کو فحاشی اور بدکاری کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔اس کے بعد کیا ہوااس کی خبر میں نے کبھی شاذ ونادر ہی دیکھی ہے۔ کیوں کہ پولیس کی خصوصی دلچسپی گرفتاری کی حد تک ہوتی ہے اوراس کارروائی کے ثمرات سے اس کے بعد اگر یہ کیس عدالت میں جاتا ہے تو پولیس کی بلا سے، وہاں عدالت جانے یا وکیل حضرات۔مشہور ہے کہ لاہور کے ایک وکیل صاحب جنھوں نے اپناکیمپ آفس تھانہ ٹبی (بازارِحسن) کے قریب قائم کررکھا تھا،اپنے پاس ضمانت ناموں کے عدلیہ سے دستخط شدہ فارم رکھا کرتے تھے اور بوقت ضرورت ان میں ملزم کا نام بھر کر تھانے میں پہنچ کر ملزم کو ضمانت پر رہا کرالیتے تھے۔خود پولیس بھی مقدمہ درج کرنے سے پہلے پہلے ایسی رہائی کردیا کرتی ہے۔ پولیس کومشکل اس وقت پیش آتی ہے جب وہ مقدمہ درج کر کے چالان عدالت میں بھجوا دیتی ہے اور اس طرح ملزم اس کے ہاتھ سے نکل کرعدالت کے سپرد ہوجاتا ہے۔

یہ بل جسے تحفظ نسواں بل کہا گیا ہے، میں نے بھی پڑھنے کی کوشش کی ہے لیکن سوائے اس کے کہ اب مرد عورت کے تعلقات میں خاصی آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں، بات زیادہ سمجھ میں نہیں آسکی وہ تو نفاذ کے لیے جب قانون تیار ہوگا تو کسی وکیل صاحب سے اس کے اسرار ورموز سے باخبر ہونے کی کوشش کی جائے گی۔ ویسے ہم عام لوگوں سے زیادہ پولیس والوں کوفکر ہوگی اور جب یہ قانون اس کے پاس پہنچے گا تو پولیس کے ماہرین اس پرغور کریں گے اوراس نئے قانون کواپنے لیے مفیداور کارآمد بنانے کے راستے تلاش کریں گے۔خیال یہی ہے کہ ماہرین پولیس اس قانون کو کارآمد بنانے کے کئی راستے تلاش کرلیں گے۔ کیوں کہ آج تک کوئی قانون ایسا تیارنہیں کیا جاسکا جس سے تھانیداراور پٹواری کو بے بس کیا جاسکے۔مشہور ہے کہ ایک سرکاری اہلکار شدید قسم کا بدعنوان تھا، بہت سوچا گیا کہ اس کو کیا ڈیوٹی دی جائے کہ وہ بدعنوانی نہ کرسکے۔عقل منداہل کاروں نے طے کیا کہ اسے دریا کی لہریں گننے پر لگا دیا جائے وہاں وہ کیا کرسکے گا۔ چناں چہ اسے دریا کے کنارے بھیج دیا گیا، چند دن بعد وہاں سے بھی اس کی شکایتیں آنے لگیں۔معلوم ہوا کہ لہروں کی گنتی کے دوران کوئی کشتی ادھر سے گزرتی تو وہ ملاح کو پکڑ لیتا کہ تم نے میری گنتی خراب کردی ہے اورلہروں کا حساب کتاب گڑبڑ کردیا ہے۔

اس بل کی منظوری پر بازارِحسن وغیرہ میں بہت خوشی منائی گئی ہے اورخوشی منانے والوں نے ایک بات یہ کہی ہے کہ پولیس ہمارے کوٹھوں

پر چھاپے مارتی تھی اب وہ ایسا نہیں کر سکے گی۔ان لوگوں کو خوش ہونے کا حق حاصل ہے لیکن عین ممکن ہے ان کی یہ خوشی عارضی ثابت ہو اور پولیس تھانے میں بیٹھی ان پر ہنس رہی ہو کہ خوش ہولو، قانون آنے دو پھر تمھیں پتا چلے گا کہ تمہارے تحفظ کا کیا حال ہوتا ہے۔ یوں تو ایک مقابلہ حسن میں شریک ایک پاکستانی لڑکی سحر محمود نے ایک بیان میں خوب صورت جسم کی نمائش کو ملک اور قوم کے لیے بیرونی سرمایہ کاری سے زیادہ مفید اور اس کی نیک نامی اور مشہوری کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر جنرل مشرف دو برس مزید رہ گئے تو پاکستان میں بھی ایسا مقابلہ حسن منعقد ہوگا لیکن معلوم ہوتا ہے اس پاکستانی لڑکی کا واسطہ کبھی قانون پر عمل درآمد کرنے والے پاکستانی اداروں سے نہیں پڑا جو فحاشی کے جرم میں اسے تھانے میں بند کر کے اس کے حسن کا معائنہ کرتے تو اسے پتا چلتا کہ نمائش حسن اور مقابلہ حسن کیا ہوتا ہے اور اس سے ملک کی ترقی کیسے ہوتی ہے۔

اس بل کو مغربی دنیا میں بہت سراہا جا رہا ہے اور امریکا سے آنے والی خبروں میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان اپنی دقیانوسیت سے نکل کر روشنی کی طرف بڑھ رہا ہے اور یہ ایک بہت ہی حوصلہ افزا امر ہے۔ مغربی دنیا کے پاس زندگی کا کوئی نظریہ تو ہے نہیں صرف ایک سرمایہ داری نظام ہے جو لوٹ مار پر مبنی ہے اس کے پاس اگر کچھ ہے تو یہ اس کا کلچر ہے جسے وہ مغربی تہذیب و تمدن کا نام دیتا ہے۔ اسی کلچر کو پھیلانا اس کا مشن ہے جسے امریکی دانش ور اور سیاست دان ہنری کسنجر نے روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا نام دیا ہے۔ ہم نے اس بات کو اپنے پلے باندھ لیا ہے۔ امریکا اگر روشن خیالی کے اسی رنگ ڈھنگ سے خوش ہوتا ہے تو ہمارا ایک صوفی تو بہت پہلے کہہ چکا ہے کہ ''مینوں نچ کے یار مناؤن دے'' یہ جو تحفظ نسواں کا بل ہے اس کا ایک خصوصی فائدہ اسی رقص و سرود کا تحفظ ہے۔ مسئلے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہماری سوسائٹی میں راتوں کو جو کچھ ہوتا ہے وہ تو کسی قانونی مدد کے بغیر بھی ہو رہا ہے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا، اسے تو انسان کا قدیم ترین پیشہ بھی کہا گیا ہے، اس لیے بہتر یہی تھا کہ اسے ایک قانون جواز عطا کر دیا جائے کہ چار دیواری کے اندر جو چاہو کرتے رہو مگر اس انقلابی قانون کا فائدہ تب ہوگا جب پولیس کو بھی اس قانون کا قائل کیا جائے گا۔ ورنہ وہ اسے بھی دوسرے کئی قوانین کی طرح ناکام اور اپنی مطلب برآری کا ذریعہ بنالے گی۔ ہمارے قانون سازوں کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے اور اس قانون کی روشنی میں پولیس کا ریفریشر کورس کرانا چاہیے۔''

اب ایک خاتون کا خط جو ''نوائے وقت'' کے کالم ''نقش خیال'' میں شائع ہوا۔

''یوں تو ''مضامین تازہ'' کا ایک انبار سا لگا ہے اور ہر موضوع دامانِ قلم کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ لیکن آج ای ایم ای سوسائٹی لاہور سے مسز شہناز چودھری کا خط ملاحظہ فرمائیے:

''محترم عرفان صدیقی صاحب!

آداب: ''نوائے وقت'' میں آپ کا کالم ضمیر کو تازہ دم رکھے ہوئے ہے۔ کاش آپ کی آواز صاحب اقتدار لوگوں تک بھی پہنچ پائے۔ آج کل تو روزانہ ہی تواتر سے ایسی دل خراش خبریں آ رہی ہیں کہ دل سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ ذرا ان خبروں کا تسلسل ملاحظہ ہو:

① ......حدود آرڈی نینس میں ترمیم کا بل منظور ہو گیا۔

② ......صدر اور وزیر اعظم نے اس بل کی منظوری پر قوم کو مبارک باد دی۔

③ ......ٹونی بلیئر کی آمد پر فیصل مسجد میں، لاؤڈ سپیکر پر عصر کی اذان کی ممانعت کر دی گئی۔

④ ......فوج کا موٹو، ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ بدلا جا رہا ہے۔

میں تو حیران ہوں کہ مسلمان ہوتے ہوئے ان خبروں پر مجھے ہارٹ اٹیک کیوں نہیں ہوا اور ہمارے علمائے کرام میں سے بھی کسی کی حرکت قلب بند نہیں ہوئی۔ میں سوچ رہی ہوں کہ اب جو خبریں آنے والی ہیں، وہ کچھ اس طرح کی ہوں گی:

① ......توہین رسالت پر موت کی سزا ختم کر دی گئی۔ (میرے منہ میں خاک)

② ......مرتد کی سزا ختم کر دی گئی۔

③ ......اسقاطِ حمل کی قانونی اجازت دے دی گئی۔

④......ہم جنس پرستی جائز قرار دے دی گئی۔

⑤......پاکستان میں مقابلہ حسن کا انعقاد ہو رہا ہے۔

⑥......شراب پر عائد پابندی ختم کر دی گئی ہے۔

⑦......جواء خانوں کی تعمیر کی قانونی اجازت دے دی گئی۔

یا پروردگار! یہ سیلاب کہاں جا کر رکے گا؟ کون اس کے سامنے بند باندھے گا؟ ہم یہ سب کچھ سننے، سب کچھ دیکھنے کے لیے کیوں زندہ رہے؟ کوئی تو اُٹھے جو کہے کہ جو یہ خرافات چاہتے ہیں، اُن کے پاس تو پہلے ہی امریکی ویزے ہیں، وہ وہاں کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہ ہمارے اس جنت جیسے پاک وطن کو کیوں ناپاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟ کیا یہ پچھلے سال ۸۔ اکتوبر کا زلزلہ بھول گئے ہیں؟ اب یہ کون سے عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں؟

قوم کو مہنگائی، فحاشی، عریانی اور ناچ گانے کے چکر میں الجھا کر، اُسے بے حس کر دیا گیا ہے۔ اُسے ان سات برسوں کے دوران تقسیم در تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ کسی طرف سے مشرق یا مغرب سے ہم پر یلغار ہوئی تو کون لڑے گا؟ کیا ہم عراقی قوم کی طرح لڑ سکتے ہیں جنھوں نے امریکا کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا؟ کیا ہم افغانیوں کی طرح روکھی روٹی پیاز کے ساتھ کھا کر دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ پہلے تو ہندوستان سے لٹ کر اپنے گھر اور زمینیں جلتی چھوڑ کر ہمارے والدین اور آباؤ اجداد پاکستان آ گئے تھے، اب وہ کہاں جائیں گے؟ اے غفور ورحیم! ہمارے حکمرانوں کے دل اور دماغ کو بدل دے۔ یا اللہ! ان کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت دے۔ آخر انھوں نے امریکا کو کیوں خدا مان لیا ہے؟

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے نوجوان، جذبہ جہاد کے تحت ہی فوج میں جاتے ہیں۔ اگر آپ ''جہاد'' کے نعرے کو ''اتحاد'' سے بدل دیں گے تو کون جائے گا؟ کیسا اتحاد؟ ہمارے حکمران اور سیاست دان اتحاد پیدا کر رہے ہیں یا اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں؟ اگر جہاد کا نعرہ تبدیل کیا جا رہا ہے تو فوجی تربیت گاہوں کا نصاب بھی ضرور بدلا جا رہا ہوگا؟ کیا اس میں سے بھی جذبہ جہاد اور جذبہ ایمان پیدا کرنے والی وہ آیات نکالی جا رہی ہیں جو ایک فوجی کیڈٹ میں Motivation پیدا کرتی ہیں؟ کوئی ہے جو وہاں کی خبر لائے؟

میں نے اکیس سال پڑھایا ہے۔ میں سائنس کی لیکچرار رہی ہوں جس نے بچوں کے سامنے ڈاکٹر قدیر کو رول ماڈل کے طور پر پیش کیا۔ میرے بہت سے شاگرد K.R.L اور غلام اسحاق خان انسٹی ٹیوٹ میں کام کر رہے ہیں اور ہمارے ہیرو کا کیا حال کر دیا گیا ہے؟ عرفان صاحب! اب لکھا نہیں جا رہا۔ دماغ شل ہو گیا ہے۔ کوئی تو کچھ کرے۔ یا اللہ! تو ہی رحم کر (آمین)۔''

اب اصل قانون پر گفتگو، صرف ایک نکتے پر بحث:

زنا کے انسداد کو حکومت کی ذمے داری سے نکال کر اسے انفرادی اور پرائیویٹ معاملہ قرار دے دیا گیا ہے، جیسے کسی کا کوئی نقصان ہو جائے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی کرے، اس کی جائداد پر ناجائز قبضہ کرے، تو وہ عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور وہاں سے سالہا سال کی مقدمہ بازی کے بعد اور وکیلوں کی بھاری فیسیں اور عدالتی اخراجات کے بعد حصولِ انصاف کی کوشش کرے۔

اسی لیے اس جرم کو پولیس کی مداخلت سے بالکل آزاد کر دیا گیا ہے، جب کہ کوئی ٹریفک سگنل توڑ دے، یا کسی گھر میں جعلی نوٹ چھاپنے کی پولیس کو اطلاع ملے، تو اس قسم کے معمولی جرائم میں پولیس مداخلت کر سکتی ہے، پکڑ دھکڑ کر سکتی ہے، گھروں کے اندر چھاپے مار سکتی ہے لیکن زنا کاری اتنا ہلکا جرم ہے اور زنا کار مرد و عورت اتنے محترم ہیں کہ پولیس اس پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ اس کی تفصیل

خوش تر آں باشد کہ سر دبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

کے مصداق، ایک محترم کالم نگار جناب ثروت جمال اصمعی کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں:

''حقوقِ نسواں بل کی منظوری کے بعد جو صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے وہ یہ ہے کہ فرض کیجیے خدانخواستہ آپ کے پڑوس میں بدکاری کا کوئی

اڈہ کھل جاتا ہے۔ تو اب آپ نہ تو اس کی رپورٹ مقامی تھانے میں کر سکتے ہیں، نہ پولیس از خود اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتی ہے۔ آپ اس اڈے کو بند کرانا چاہتے ہیں تو آپ کو سیشن کورٹ سے رجوع کرنا ہوگا۔ تاہم وہاں بھی محض کوئی رپورٹ درج کرانے سے کام نہیں بنے گا۔ اگر آپ کے سر میں بدی کے خاتمے کا سودا سمایا ہے تو اس کے لیے پہلے چار ایسے افراد تیار کرنے ہوں گے جو تحریری اور حلفیہ گواہی دے سکیں کہ اس اڈے پر بدکاری ہوتے انھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہے۔ پھر ان چاروں کو لے کر آپ کو عدالت جانا ہوگا۔ عدالت کے طریق کار کے سارے تقاضے پورے کرنے ہوں گے۔ اس کے بعد یہ چاروں گواہ آپ کی مدعیت میں اپنے حلفیہ تحریری بیان جمع کرائیں گے۔ اس کے باوجود جج صاحب کو اگر آپ کے دعوے اور گواہوں کے بیانات پر اطمینان نہیں ہوتا تو وہ آپ پانچوں کے خلاف کسی مزید ثبوت کے بغیر اور آپ کو اپنے دفاع کا کوئی موقع دیے بغیر محض اپنی صوابدید پر حد قذف جاری کر سکیں گے جو شرعاً تو اسی کوڑے ہے مگر نئے قانون میں پانچ سال قید مقرر کی گئی ہے۔

یعنی آپ میں سے ہر ایک کو معاشرے کو برائی سے پاک کرنے کے شوق کی پاداش میں پانچ سال قید کی سزا بھگتنی ہوگی۔ گویا بدکاری اب ریاست کے خلاف کوئی جرم نہیں ہے۔ ریاست اپنے طور پر اسے ختم کرنے کی ذمہ دار نہیں ہے۔ فحاشی کے اڈوں کی روک تھام اب پولیس اور انتظامیہ کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ اگر کسی کو اس سے تکلیف پہنچ رہی ہو تو وہ خود گواہ لے کر عدالت جائے اور مجرموں کو سزا دلانے سے کہیں زیادہ یقینی طور پر خود سزا پانے کے لیے تیار ہو کر جائے۔ ظاہر ہے اس کے بعد اگر طوائفوں نے اس بل کی منظوری پر مٹھائیاں بانٹی ہیں تو انھیں ایسا کرنا ہی چاہیے تھا۔ یہی صورتِ حال اس شخص کو بھی پیش آئے گی جس کی کسی عزیزہ کے ساتھ جبراً زیادتی کی گئی ہو۔ مجرم کے خلاف اب وہ تھانے میں رپورٹ درج نہیں کرا سکتا۔ اس کے بجائے اسے حلفیہ بیان کے لیے چار گواہ تیار کر کے انھیں عدالت لے جانا ہوگا اور ان گواہوں کو بھی قذف کی سزا کا خطرہ مول لے کر گواہی دینی ہوگی۔ ریاست اور اس کی مشینری مجرم کے خلاف کسی تفتیش اور جرم کے ثبوت کی تلاش کی ذمہ داری سے مبرا ہوگی۔ پھر اگر کسی پر جرم مکمل طور پر ثابت بھی ہو جائے تو اسے قرآن وسنت میں مقرر کردہ سزا دینے کے بجائے جج اپنی صوابدید کے مطابق کچھ قید اور جرمانے کی سزا دے کر اس کی گلوخلاصی کر دے گا۔ اس طرح یہ قانون قرآن وسنت کی منشاء کے بالکل برعکس مجرم کے لیے سہولتیں فراہم کرے گا جب کہ اس کی ہوس کا نشانہ بننے والی مظلوم عورت کی ریاست کوئی مدد نہیں کرے گی بلکہ اس کی دادرسی کی راہ میں تقریباً ناقابل عبور مشکلات حائل ہوں گی۔ اسی لیے علمائے کرام اس قانون کو انسدادِ بدکاری کے بجائے قرآن وسنت سے صریحاً متصادم فروغ بدکاری کا قانون قرار دے رہے ہیں۔''

[روزنامہ ''جنگ'' لاہور، ۱۰ دسمبر ۲۰۰۶ء]

اس کے لیے عذر یہ تراشا گیا ہے کہ ایک تو پولیس لوگوں کو ہراساں کرتی ہے۔ دوسرے، گھروں کی حرمت پامال ہوتی ہے، سبحان اللہ۔ اسے کہتے ہیں: عذرِ گناہ بدتر از گناہ

کوئی ان سے پوچھے، کون سا قانون یا معاملہ ایسا ہے جس میں پولیس کا رویہ نامعقول نہیں ہوتا؟ پھر تو ہر معاملے میں ہی اور ہر قانون پر عمل درآمد کرانے میں ہی پولیس کا کردار ختم کرنا چاہیے نہ کہ صرف زنا کے معاملے ہی میں۔

اسی طرح گھر کی حرمت کا خیال زنا کاروں کے معاملے ہی میں کیوں؟ کسی بھی معاملے میں پولیس کو گھروں میں چھاپے مارنے کی اور گھروں کی حرمت پامال کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسئلہ نہ گھر کی حرمت کا ہے اور نہ پولیس کے ہراساں کرنے کا، اصل بات جو اس قانونِ زیرِ بحث کے خالقوں کے ذہنوں میں ہے وہ ہے بدکاری کو فروغ دینا اور اس راہ کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنا۔

⊙...... مذکورہ تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جرم زنا کو ناقابل دست اندازئ پولیس ہی قرار نہیں دیا گیا بلکہ مقدمے کے اندراج کا طریقہ بھی ایسا انوکھا ایجاد کیا ہے جو ساری دنیا سے نرالا ہے اور ایسا

مشکل ہے کہ کوئی زنا کی شکایت درج ہی نہیں کرا سکے گا۔ گویا

نہ نومن تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی

⊙......پھر زنا کی تقسیم زنا بالرضا اور زنا بالجبر کا پس منظر بھی مغربی معاشرہ ہے۔ اسلام میں زنا کی یہ تقسیم نہیں، ہر دو صورت میں اجنبی مرد وعورت کا آپس میں جنسی تعلق قائم کرنا زنا ہے اور دونوں قسم کی سزا بھی ایک ہے۔ البتہ جبر کی صورت میں حد کا نفاذ صرف جبر کرنے والے پر ہوگا، مجبور مرد یا عورت مستثنیٰ ہوگی۔

اسلام میں زنا کی دو قسمیں نہیں، البتہ زنا کاروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شادی شدہ زانی، اور دوسرا غیر شادی شدہ (کنوارا)، اور ان دونوں کی سزاؤں میں بھی فرق ہے۔ شادی شدہ زانی مرد وعورت کی سزا سنگساری (رجم) ہے۔ یعنی نہایت عبرت ناک انداز سے پتھر مار مار کر اس کی زندگی ختم کر دینا ہے اور کنوارے زانی مرد وعورت کی سزا سو کوڑے ہیں۔

⊙......سب سے بڑا ظلم زنا کی اصل سزا کا خاتمہ ہے جو سو کوڑے یا رجم ہے جیسا کہ ابھی وضاحت کی گئی۔ اسی طرح قذف کی اصل سزا بھی جو اسی کوڑے ہے، ختم کر دی گئی ہے اور ان کی جگہ دونوں جرموں کی سزا پانچ سال تک قید اور دس ہزار روپے تک جرمانہ ہے۔ البتہ زنا بالجبر کی سزا ۲۵ سال قید یا موت ہے۔

یہ تبدیلی قرآن سے بغاوت اور کفر وارتداد کے مترادف ہے۔ ان تمام حضرات کو جنھوں نے اس کو معرضِ تحریر میں لانے، اس کی بابت فکری مواد مہیا کرنے، اس کی نوک پلک سنوارنے اور اس کو پاس کرانے میں گونگے شیطان بنے، حصہ لیا ان سب کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے اور اگر ایمان کی کوئی رمق ان کے اندر باقی ہے تو توبہ کرکے اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہیے۔ کیوں کہ قرآن کا فیصلہ ہے:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ [النساء: ٤/٦٥]

’’آپ کے ربّ کی قسم! یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو حکم (ثالث) تسلیم نہ کرلیں، پھر آپ کے فیصلوں پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور دل وجان سے اس کو تسلیم کرلیں۔‘‘

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾

[الاحزاب: ٣٣/٣٦]

’’کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے یہ لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں، تو (اس کے بعد) ان کے معاملے میں ان کا اختیار ہو۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے، یقیناً وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔‘‘

ایک اور ستم ظریفی یہ کی گئی ہے کہ سولہ سال سے کم عمر کی لڑکی اگر بدکاری کا ارتکاب کرے گی تو ہمیشہ کے لیے یہ قطعی اور پیشگی فیصلہ کر دیا گیا ہے گویا کہ اس قانون کے بنانے والے علام الغیوب ہیں کہ یہ زنا بالجبر ہی ہوگا۔ اس لیے سولہ سال سے کم عمر کی بچی سزا سے مستثنیٰ ہوگی، اور سزا صرف مرد کو ملے گی (اگر ملی تو۔)

ظاہر بات ہے کہ ایک تو قطعی فیصلہ یکسر غلط ہے، چودہ، پندرہ سال کی بچیاں رضا مندی سے زنا کر سکتی ہیں، دوٹوک انداز میں اس کی نفی کر دینا ہر لحاظ سے غلط ہے۔

دوسرا، یہ باور کرلیا گیا ہے کہ لڑکی سولہ سال سے پہلے بالغ نہیں ہوتی۔ یہ بھی حقائق وواقعات کے یکسر خلاف ہے۔ بلوغت کا تعلق صرف عمر سے نہیں بلکہ علامات سے زیادہ ہے جیسے احتلام، حیض وغیرہ۔ بالخصوص آج کل ہمارے ملک میں بارہ سال سے پندرہ سال کے درمیان اکثر بچیاں بالغ ہوجاتی ہیں۔ بنا بریں اس عمر کی بچیوں کو جنسی خواہش سے مبرا قرار دے کر سزا سے مستثنیٰ کرنا نہایت تعجب خیز امر ہے۔

دراصل اس قانون کے خالق چاہتے یہ ہیں کہ ہمارا معاشرہ جنسی بے راہ روی میں مغرب کے معاشروں سے کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ مغرب میں اس عمر کی بچیاں نوجوان لڑکوں سے جنسی تلذذ حاصل کرنے

میں کوئی عار نہیں سمجھتیں۔ حتی کہ ان کو حمل بھی ٹھہر جائے تو یہ بھی ان کے لیے عیب نہیں، نہ تو معاشرہ ہی ایسی نوعمر بچیوں کے بن بیاہی مائیں بننے پر کوئی حرف گیری یا انگشت نمائی کرتا ہے۔ مغرب کے مشرقی شاگرد بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہاں بھی بن بیاہی ماؤں کا ایک طوفان آ جائے جیسے مغرب میں یہ طوفان ساری حدوں کو توڑ چکا ہے۔

⊙......ایک اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ زیر بحث قانون کی ترمیم نمبر ۵ کی رو سے اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے اُس وقت مباشرت کرے جب بیوی اس کام کے لیے آمادہ نہ ہو، تو یہ بھی زنا بالجبر کا ارتکاب ہوگا جس کی خودساختہ سزا......سزائے موت یا سزائے قید جو کم سے کم دس سال اور زیادہ سے زیادہ پچیس سال ...... ہوسکتی ہے اور جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا۔ کیوں کہ اس دفعہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

''کسی مرد کو زنا بالجبر کا مرتکب کہا جائے گا جب وہ کسی عورت کے ساتھ مندرجہ ذیل پانچ حالات میں سے کسی صورت میں جماع کرے:

①......اس کی مرضی کے خلاف

②......اس کی رضامندی کے بغیر............''

کسی عورت کے عموم میں بیوی بھی شامل ہے کیوں کہ بیوی یا منکوحہ یا مملوکہ کا استثناء اس میں نہیں ہے۔ لہٰذا اپنی بیوی کے ساتھ بھی اس کی رضامندی کے بغیر جماع کرنا ایسا جرم ہوگا۔ جس کی سزا، سزائے موت ہوسکتی ہے۔

یہ کوئی خواہ مخواہ کی موشگافی یا بذلہ سنجی یا لطیفہ گوئی نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اظہار اُس طبقے کی خواتین کی طرف سے ہوتا رہا ہے جس کی خوشنودی کے لیے امریکا بہادر بھی ایڈ دے رہا ہے اور اسی کی خاطر یہ سارے پاپڑ بھی بیلے جارہے ہیں۔ مغرب زدہ بیگمات کی اس خواہش کو بھی قانون کا جامہ پہنا دیا گیا ہے۔ کوئی مشرقی حیا و وفا کی پیکر عورت چاہے ایسا نہ کرے لیکن مغربی تہذیب کی والہ وشیدا عورت مستقبل قریب میں یورپ کی یہ روایت یہاں بھی دہرا سکتی ہے کہ خاوند کے زبردستی جماع کی خواہش پوری کرنے پر خاوند میاں حوالہ زنداں کردیے جائیں گے۔ کیوں کہ وہاں ایسے مقدمات قائم ہو چکے ہیں اور شوہر میاں سزایاب۔

جب کہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ عورت کی طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو، خاوند اگر جنسی خواہش کی تسکین چاہتا ہے تو عورت فوراً سر تسلیم خم کردے خواہ وہ تنور ہی پر بیٹھی ہو۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ساری رات فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں کہ اس نے خاوند کی خواہش کا احترام نہیں کیا۔

⊙......اسلام میں یہ بھی ہے کہ معاملہ عدالت میں جانے کے بعد یا مقدمے کا فیصلہ ہوجانے کے بعد کسی کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ اللہ کے رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن زیر بحث قانون میں یہ حق صدر مملکت کے علاوہ صوبائی حکومتوں کو بھی دے دیا گیا ہے کہ وہ فیصلہ ہوجانے کے بعد مجرم کو معاف کرسکتی ہیں۔

گویا اوّل تو اثباتِ جرم کا طریقہ ایسا نرالا، اتنا مشکل اور ایسا پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ کسی کو زانی ثابت ہی نہیں کیا جاسکے گا اور اگر کوئی کسی وجہ سے مجرم ثابت ہو بھی گیا تو سزا پھر بھی یقینی نہیں۔ البتہ اس کی بریت اور رہائی یقینی ہے کہ معاف کرنے والے اس کی معافی کا پروانہ جاری کردیں گے۔ علاوہ ازیں اعترافِ جرم پر بھی سزا کا کوئی تصور موجودہ ایکٹ میں نہیں ہے۔

گویا عبرت ناک سزائیں اور اللہ ورسول کی مقرر کردہ حدیں ہی ختم نہیں کیں بلکہ اس امر کا پورا اطمینان حاصل کرلیا گیا ہے کہ یہ خود ساختہ برائے نام سزائیں بھی کسی کو نہ مل سکیں اور یوں ہم اپنے مغربی آقاؤں کو یہ کہہ سکیں کہ ہم نے بھی آپ کی طرح زنا کو جرم نہیں، بلکہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کا ''حق'' سمجھا ہے۔ ہم بھی آپ ہی کی طرح لبرل اور روشن خیال ہیں۔ اپنا حق ''وصولنے'' پر سزا کاہے کی؟ ''انتہا پسند'' بے شک شور مچائیں لیکن ع

کون سنتا ہے فغانِ درویش

یا ع

آوازِ سگاں کم نہ کند رزق گدارا

❀❀............❀............❀❀

اسلامی بینکاری کی حقیقت!

حافظ ذوالفقار علی شیخ الحدیث ابوہریرہؓ شریعہ کالج لاہور

مرابحہ:

مروجہ اسلامی بینکوں نے فنانسنگ کے جو مختلف طریقے متعارف کرائے ہیں ان میں سرفہرست مرابحہ ہے۔اس موضوع پر ہم ''بیع مرابحہ اور اسلامی بینکاری'' کے عنوان سے ایک مستقل مضمون قلمبند کر چکے ہیں جو ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہو چکا ہے۔شائقین ہفت روزہ الاعتصام کی جلد ۵۹ شمارہ ۳۷، ۷تا ۱۳ ستمبر ۲۰۰۷ ملاحظہ فرمالیں۔

اجارہ منتہیہ بالتملیک:

یہ بھی اسلامی بینکوں میں فنانسنگ کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔اجارہ کی یہ صورت اسلامی بینکاری کی ایجاد کردہ ہے۔ہمارے واجب الاحترام محدثین وفقہاء اس سے واقف نہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی کتب میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔لہٰذا ہم بھی اس کے احکام جاننے کے لیے اسلامی بینکوں کی رہنمائی کے لیے مرتب کردہ شریعہ سٹینڈرڈز پر ہی اعتماد کریں گے۔چنانچہ شریعہ سٹینڈرڈز کے سکالرز نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔

((ھی اجارۃ یقترن بھا الوعد بتملیك العین المؤجرۃ الی المستأجر فی نھایۃ مدۃ الاجارۃ اوفی اثنائھا)) [المعاییرالشرعیۃ :ص۱۵۳]

''ایسا اجارہ جس میں یہ وعدہ شامل ہوکر مدت اجارہ کے آخر میں یا اس کے دوران ہی کرائے پر دی گئی چیز کی ملکیت کرایہ دار کی طرف منتقل کی جائے گی۔''

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

((ھی تملیك منفعۃ بعض الاعیان کالدور والمعدات مدۃ معینۃ من الزمن باجرۃ معلومۃ تزید عادۃ عن اجرۃ المثل وعلی ان یملك الموجر العین الموجرۃ للمستاجر بناء علی وعد سابق بتملیکھا فی نھایۃ المدۃ او فی اثنائھا بعد سداد جمیع مستحقات الاجرۃ او اقساطھا وذلك بعقد جدید)) [المعاملات المالیۃ المعاصرہ ص۳۹٤]

''اجارہ منتہیہ بالتملیک کا مطلب ہے کہ متعین وقت کے لیے طے شدہ کرائے جو عام طور پر اس طرح کی دوسری چیزوں کے کرائے سے زیادہ ہوتا ہے کے بدلے کسی چیز جیسے گھر یا سامان کے فائدے کا دوسرے کو مالک بنا دینا اس شرط پر کہ کرایہ کی تمام قسطیں ادا کرنے کے بعد مدت کرایہ کے اختتام پر یا اس کے دوران ہی مالک سابق وعدے کی بنیاد پر ایک نئے عقد کے ذریعے اس چیز کی ملکیت کرایہ دار کی طرف منتقل کر دے گا۔''

شرعی اجارہ اس سے مختلف ہے۔اسلامی بینکاری کے حامی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ شریعت نے اجارہ کا جو تصور دیا ہے وہ اس سے مختلف ہے چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:''اجارہ منتہیہ بالتملیک عام اجارہ سے دو لحاظ سے مختلف ہے:

① ...... اجارہ منتہیہ بالتملیک دو مستقل عقدوں پر مشتمل ہوتا ہے۔پہلا عقد اجارہ جو طے شدہ مدت تک جاری رہتا ہے دوسرا مدت کے اختتام یا دوان مدت اس چیز کو مالک بنانے کا عقد۔

② ...... اجارہ منتہیہ بالتملیک بینک کرائے پر دی جانے والی چیز کلائنٹ کی درخواست کے بعد خریدتا ہے اکثر اس کا کرایہ عام کرایہ سے

زیادہ ہوتا ہے جبکہ عام اجارہ میں وہ چیز پہلے سے موجر کے پاس موجود ہوتی ہے۔[المعاملات المالیہ المعاصرہ از وھبہ زحیلی ص ۳۹۵]

اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ اور سودی بینکوں میں رائج ہائر پرچیز میں فرق:

اسلامی بینکوں کے نقطہ نظر کے مطابق دونوں میں فرق اس طرح ہے کہ ہائر پرچیز میں بیع اور اجارہ دونوں عقد بیک وقت شروع ہوتے ہیں آخری قسط کی ادائیگی پر مستقل عقد کیے بغیر ہی چیز کی ملکیت مستاجر کی طرف منتقل ہوجاتی ہے جبکہ اجارہ منتھیہ بالتملیک میں مدت اجارہ کے ختم ہونے تک اجارہ کے احکام نافذ ہوتے ہیں اسکے بعد ملکیت مستاجر کی طرف منتقل ہوتی ہے۔[المعاییر الشرعیہ:۱۴۶]

اسی طرح اجارہ منتھیہ بالتملیک اور بیع قسط میں بھی فرق ہے۔بیع قسط میں عقد شروع میں ہی مکمل ہو جاتا ہے صرف قیمت قسطوں کی صورت میں ادا کی جاتی ہے جبکہ مذکورہ بالا اجارہ میں دو عقد ہوتے ہیں پہلے عقد اجارہ کی مدت پوری ہونے کے بعد ایک نیا عقد بیع۔

[المعاملات المالیہ المعاصرہ از ڈاکٹر وہبہ زحیلی:۳۹۶،۳۹۵]

ملکیت منتقل ہونے کے طریقے:

المعاییر الشرعیہ میں اس کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں:

①......رسمی یا حقیقی قیمت کے بدلے بیع کا وعدہ ہو یا مدت اجارہ کے دوران ہی باقی مدت کے کرائے کے بدلے یا مارکیٹ ریٹ کے مطابق بیع کا وعدہ ہو۔

②......ہبہ کا وعدہ ہو۔

③...... ہبہ کا عقد ہو جو تمام اقساط کی ادائیگی کی شرط پر معلق ہو۔[ص ۱۴۱]

البتہ یہ فیصلہ کرنا شروع میں ضروری ہے کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائیگا۔المعاییر الشرعیہ میں یہ بھی صراحت ہے کہ یہ وعدہ موجر (بینک) کی طرف سے ہوگا۔مزید لکھا ہے کہ یہ وعدہ یک طرفہ ہوگا اور موٴجر (بینک) پر اس کی پابندی لازم ہوگی۔[ص ۱۴۲]

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بینک جس چیز پر اجارہ کرتا ہے وہ پہلے سے بینک کے پاس موجود نہیں ہوتی بلکہ وہ کلائنٹ کی درخواست پر خریدتا ہے۔اس میں یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ بینک جب وہ چیز خرید لے تو وہ لینے سے انکار کردے ظاہر ہے اس صورت میں بینک کے لیے یہ خسارے کا سودا ہوگا۔اسلامی بینکوں نے اس خطرے کا یہ حل نکالا ہے کہ وہ کلائنٹ سے متعلقہ چیز کی قیمت کا دس فیصد پہلے وصول کرلیتے ہیں اسکو''ضمانِ جدیہ'' کہتے ہیں۔تاکہ اگر کلائنٹ بینک کی خریداری کے بعد اپنی بات پر قائم نہ رہ سکے تو بینک کا نقصان نہ ہو اس صورت میں بینک اس کا معاملہ کسی دوسرے کے ساتھ کرے گا اور جتنا نقصان ہوگا وہ ضمان جدیہ سے پورا کرے گا۔اگر ضمان جدیہ کی رقم نقصان کی تلافی کیلیے ناکافی ہو تو وہ کلائنٹ سے مزید مطالبہ بھی کرسکتا ہے کیونکہ بینک کو یہ نقصان اس کی وجہ سے ہوا ہے اگر ضمان جدیہ سے نقصان پورا کرنے کے بعد کچھ رقم بچ جائے تو وہ کلائنٹ کی ہوگی۔شرعی اجارہ میں یہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں وہ چیز مالک نے کسی کی درخواست کے بغیر خود خریدی ہوتی ہے اس میں یہ بھی امکان ہوتا ہے کہ کوئی کرایہ پر لینے کے لیے آجائے یا نہ آئے۔اس سے بھی ہمارے اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ اسلامی بینک نان رسک ادارہ ہے۔

ضمانِ جدیہ کا حکم:

المعاییر الشرعیہ کے نقطہ نظر کے مطابق یہ رقم یا تو بینک کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی ہوئی امانت تصور ہوگی۔بینک اس میں تصرف کا مجاز نہیں ہوگا یا اسکی حیثیت اس امانت کی ہوگی جو سرمایہ کاری کے لیے دی جاتی ہے یعنی کلائنٹ بینک کو اجازت دے گا کہ وہ اس رقم سے مضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کرے اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ جب اجارہ کا باقاعدہ عقد ہو اس وقت یہ طے کرلیا جائے کہ رقم اجرت کی قسطوں میں شمار ہوگی۔[ص ۱۴۴]

اگر چیز تباہ ہوجائے یا قابلِ استعمال نہ رہے؟

اس بارے میں شریعہ سٹینڈرڈز کا موقف بڑا واضح ہے کہ اگر اس

میں مستاجر کا عمل دخل نہ ہوتو دونوں حالتوں میں اجرتِ مثل (مارکیٹ کرایہ) کی طرف لوٹا جائے گا۔اور عقد میں طے شدہ کرایہ کے مطابق بینک نے اجر مثل سے جتنا زیادہ لیا ہوگا وہ مستاجر کو واپس کرنے کا پابند ہوگا۔[ص۱۴۲]

اجارہ منتہیہ بالتملیک کا شرعی حکم:

ہماری رائے میں یہ معاملہ حسبِ ذیل خرابیوں پر مشتمل ہونے کی بناء پر شرعاً جائز نہیں۔

①......جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عقدِ اجارہ کے وقت ہی بینک یہ وعدہ کرتا ہے کہ مدت اجارہ ختم ہونے پر رسمی یا حقیقی قیمت کے عوض یا مدت اجارہ کے دوران ہی باقی قسطوں کے بدلے یا بازاری قیمت پر یہ چیز مستاجر کی ملکیت میں دے دے گا۔ڈاکٹر محمد زحیلی لکھتے ہیں:

((اما ان كان الوعد ملزما فيدخل في معاملات محرمة شرعا وهي بيع مالا يملك والبيع قبل القبض بل قبل الشراء))

[المصارف الاسلاميه: ص ۷۸،۷۷]

''اگر وعدہ لازمی ہوتو یہ شرعی طور پر حرام معاملات میں داخل ہو جائے گا۔وہ ہیں غیر ملکیتی چیز اور قبضہ سے پہلے بلکہ خریدنے سے پہلے ہی بیع کا معاملہ۔''

یا ہبہ کرنے کا وعدہ ہوتا ہے یا تمام اقساط کی ادائیگی سے مشروط ہبہ کا عقد ہوتا ہے۔جو صورت بھی ہو وہ غرر سے خالی نہیں۔کیونکہ ایسا وعدہ بیع جس کی پابندی لازم ہو عملاً بیع ہی ہے۔اسلامی بینکنگ کے حامیوں کا یہ کہنا کہ یہ یکطرفہ وعدہ ہے جس میں ایک فریق کو اختیار ہے تو بقول ڈاکٹر رفیق یونس مصری کے صرف ایک کو اختیار دینا سینہ زوری ہے۔جب یہ بیع ہی ہے تو عقد بیع کے وقت قیمت مجہول ہوتی ہے کیا علم کہ پانچ سال بعد حقیقی قیمت کیا ہوگی یا رسمی قیمت کیا مقرر ہوگی اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ مستاجر مکمل قسطیں ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کے ملکیتی حقوق حاصل نہ کر سکے۔اس کو ہبہ کا عقد کہنا بھی درست نہیں کیونکہ مستقبل کی شرط پر معلق ہبہ درست نہیں ہوتا جیسا کہ شیخ صالح بن فوزان حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((ولا تصح الهبة المعلقة على شرط مستقبل كان يقول اذا حصل كذافقد وهبتك كذا))

[الملخص الفقهي:۲ ص ۱۱۵]

''ایسے ہی اسکو ہبہ کا وعدہ کہنا بھی درست نہیں کیوں کہ اس صورت میں یہ ایسا ہبہ ہوگا کہ مارکیٹ ریٹ سے زیادہ کرایہ وصول کرنے کی صورت میں جس کا بدلہ لیا جاتا ہے۔اس قسم کا ہبہ بھی بیع ہی کے حکم میں ہوتا ہے سوائے اس کے کہ اس میں معاوضہ اور اس کی مقدار طے نہیں ہوتی۔''

②......اس کی عملی تطبیق میں بھی گڑبڑ ہوتی ہے۔وہ یوں کہ بینک اس مدت کا کرایہ بھی قسطوں میں ایڈجسٹ کرتا ہے جس میں گاڑی تو کلائنٹ کو نہیں ملی ہوتی لیکن بینک بکنگ کے لیے رقم جمع کروا چکا ہوتا ہے۔جیسا کہ ہم پیچھے اسلامی بینکاری کے سکالر جناب محمد ایوب کے حوالے سے لکھ آئے ہیں۔

③......اس میں شریعہ سٹینڈرڈز کے احکام کی بھی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔

(۱)......شریعہ سٹینڈرڈز کے مطابق بیع کا وعدہ بینک کی جانب سے ہونا چاہیے جبکہ اسلامی بینک کلائنٹ سے وعدہ لیتے ہیں۔

(۲)......شریعہ سٹینڈرڈز کے مطابق بینک ضمان جدیہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔اس کے برعکس اسلامی بینک کرنٹ اکاؤنٹ کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔بلکہ یہ بھی رپورٹیں ہیں کہ بعض اسلامی بینک ضمان جدیہ کو اسٹیٹ بینک کے پاس ریزرو کیش ریکوائرمنٹ کے طور پر بھی جمع کرواتے ہیں۔

(۳)......شریعہ سٹینڈرڈز کی رائے میں اجارہ پر دی ہوئی چیز اگر تباہ ہو جائے یا وہ باقی ماندہ مدت کے لیے قابل استعمال نہ رہے بشرطیکہ اس میں مستاجر کا عمل دخل نہ ہوتو بازاری قیمت سے زائد لیا ہو کرایہ مستاجر کو واپس کیا جانا چاہیے لیکن اسلامی بینکوں میں اس پر عمل نہیں ہوتا بلکہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ انشورنس یا تکافل کمپنی سے جو رقم ملتی ہے اس میں سے

پہلے اپنی باقی ماندہ رقم پوری کرتے ہیں ۔اگر کچھ بچ جائے تو مستاجر کو دیتے ہیں ورنہ اللہ اللہ خیر سلا۔ اسلامی بینکوں کا یہ عمل انکے اپنے ہی شریعہ سٹینڈرڈز کے خلاف ہے۔

مشارکہ متناقصہ:

اسلامی بینکوں میں اس پر بھی بکثرت عمل ہوتا ہے اس کو زیادہ تر ہاؤس فنانسنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ۔اجارہ منتھیہ بالتملیک کی طرح یہ اصطلاح بھی اسلامی بینکاری نے ہی متعارف کروائی ہے۔کہا جاتا ہے کہ اس کا سب سے پہلے استعمال مصر میں شروع ہوا۔

[المعاملات المالیہ المعاصرہ از دکتور محمد عثمان شبیر:ص ۳۴۹]

ظاہر ہے جب ذخیرہ حدیث وفقہ میں اس اصطلاح کا ذکر ہی نہیں تو ہمیں اسکی حقیقت جاننے کے لیے اسلامی بینکنگ کے ماہرین کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا۔چنانچہ المعاییر الشرعیہ میں اسکی تعریف یوں بیان ہوئی ہے۔

((المشاركة المتناقصة عبارة من شركة يتعهد فيها احد الشركاء بشراء حصة الآخر تدريجا الى ان يتملك المشترى المشروع بكامله)) [ص٢٠٦]

''مشارکہ متناقصہ ایسی شرکت سے عبارت ہے جس میں ایک شریک یہ عہد کرتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ دوسرے شریک کا حصہ خرید لے گا یہاں تک کہ مشتری پورے منصوبے کا مالک ہو جائے۔''

اسکی عملی تطبیق کیا ہوتی ہے؟ یہ سمجھنے کے لیے ہم جناب مولانا تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''مشارکہ کی ایک اور شکل جسے ماضی قریب میں ترقی دی گئی ہے ''مشارکہ متناقصہ'' ہے ۔اس تصور کے مطابق ایک تمویل کار اور اس کا عمیل کسی جائیداد، سامان یا کاروباری ادارے کی مشترکہ ملکیت حاصل کرتے ہیں ۔تمویل کار کا حصہ کئی یونٹس میں تقسیم کرلیا جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عمیل تمویل کار کے حصے کے کئی یونٹس ایک ایک کر کے کچھ وقفوں کے بعد خرید لے گا جسکے نتیجے میں اس کا حصہ کم ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کے تمام یونٹس عمیل خرید لے گا اور جائیداد یا کاروباری ادارے کا تنہا مالک بن جائے گا۔

شرکت متناقصہ کے اس تصور کو مختلف معاملوں میں مختلف طریقوں سے اختیار کیا جاتا ہے۔ چند نمونے ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

اسے عام طور پر ھاؤس فنانسنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عمیل ایک گھر خریدنا چاہتا ہے جس کے لیے اس کے پاس کافی رقم موجود نہیں ہے۔ یہ ایک تمویل کار کے پاس جاتا ہے جو اس کے ساتھ مل کر ایک گھر خریدنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ قیمت کا بیس فیصد عمیل ادا کرتا ہے اور اسّی فیصد تمویل کار، لہٰذا گھر کے اسّی فیصد حصے کا مالک تمویل کار ہے اور بیس فیصد کا عمیل ، جائیداد کو مشترکہ خریدنے کے بعد عمیل گھر کو اپنی رہائشی ضرورتوں کے لیے استعمال کرتا ہے اور تمویل کار کو جائیداد میں اس کا حصہ استعمال کرنے کی وجہ سے کرایہ ادا کرتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ تمویل کار کے حصے کو آٹھ برابر یونٹس میں تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ ہر یونٹ گھر کے دس فیصد ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔(کیوں کہ اس کی کل ملکیت اسی فیصد تھی) عمیل ،تمویل کار سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہر تین ماہ بعد ایک یونٹ خریدے گا۔

چناں چہ تین ماہ کی پہلی مدت پوری ہونے پر وہ گھر کی قیمت کا دس فیصد حصہ ادا کر کے ایک یونٹ خرید لیتا ہے ۔اس سے تمویل کار کا ایک حصہ اسی فیصد سے کم ہو کر ستر فیصد ہو جائے گا۔تمویل کار کا ادا کیا جانے والا کرایہ بھی اس قدر کم ہو جائے گا۔ دوسری مدت کے پورا ہونے کے بعد ایک اور یونٹ خریدے گا جس سے جائیداد میں اس کا حصہ بڑھ کر چالیس فیصد ہو جائیگا اور تمویل کار کا کم ہو کر ساٹھ فیصد رہ جائے گا اور اسی تناسب سے کرایہ بھی کم ہو جائے گا۔ یہ ترتیب اسی طریقے سے چلتی رہے گی یہاں تک کہ دو سال کے اختتام پر عمیل تمویل کار کا سارا حصہ خرید لے گا جس سے اس کا حصہ ''صفر'' رہ جائے گا۔اور عمیل کا حصہ سو فیصد ہو جائے گا۔

یہ طریقہ کار تمویل کار کو یہ اجازت دیتا ہے کہ جائیداد میں اپنی

ملکیت کے تناسب سے کرایہ کا دعویٰ کرے اور اسی کے ساتھ اپنے حصے کے یونٹس کی بیع کے ذریعے سے اپنا اصل سرمایہ وقفے وقفے سے واپس حاصل کرے۔" [ص:۸۵،۸۶،۸۷]

یہ اقتباس ہے تو طویل مگر اس سے مشارکہ متناقصہ کی عملی صورت پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل تشریح ہو۔

مشارکہ متناقصہ شرکت کی کس قسم میں داخل ہے:

المعاییر الشرعیہ کے مطابق شرکت کی یہ جدید قسم شرکۃ العنان کی ذیلی شاخ ہے۔لہٰذا اس پر وہ تمام احکام نافذ ہوں گے جو عام شرکت پر ہوتے ہیں۔خصوصاً شرکۃ العنان کے۔علامہ وہبہ زحیلی نے بھی اس کو شرکۃ العنان ہی قرار دیا ہے۔[المعاملات المالیہ المعاصرہ:ص۴۳۶]

شرکۃ العنان کیا ہے؟

شرکت کی بنیادی قسمیں دو ہیں:

① ......شرکہ املاک، ② ......شرکۃ عقود

شرکہ املاک کسی چیز کے استحقاق میں شراکت کا نام ہے جیسے کسی اثاثے ،کارخانے یا گاڑی وغیرہ کی ملکیت میں اشتراک۔جبکہ تصرف میں اشتراک کو شرکہ عقود کہا جاتا ہے۔جیسے خرید وفروخت میں اشتراک ،یہ اشتراک یا تو مال وعمل دونوں میں ہوگا یا صرف عمل میں ۔اسکی پانچ قسمیں ہیں۔

اگر مال وعمل دونوں میں شراکت ہو تو اس کو شرکہ عنان کہا جاتا ہے۔ [الملخص الفقهي:٢ ص٦٨]

چونکہ ہمارے زیر بحث یہی قسم ہے اس لیے ہم صرف اسی کے متعلق گفتگو کریں گے۔علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اسکی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

((ان يشترك رجلان بماليهما على ان يعملا فيهما بابدانهما والربح بيهما)) [المغنی:۷ص۱۲۳]

"دو شخص اپنے اپنے مال کے ساتھ اس شرط پر اشتراک کریں کہ دونوں جسمانی محنت کریں گے اور نفع ان دونوں میں تقسیم ہوگا۔"

شیخ صالح بن فوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

((فحقيقة شركة العنان ان يشترك شخصان فاكثر بماليهما بحيث يصيران مالا واحدا يعملان فيه بيديهما او يعمل فيه احدهما ويكون له الربح اكثر من نصيب الآخر))

[الملخص الفقهي:٢ ص٧١]

"شرکہ عنان کی حقیقت یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ افراد اپنے مالوں کے ساتھ شراکت داری کریں اس طرح کہ دونوں کا مال ایک ہی بن جائے۔دونوں اس میں جسمانی محنت کریں یا ان میں سے صرف ایک کرے(دوسری صورت میں) کام کرنے والے کے نفع کا حصہ دوسرے سے زیادہ ہوگا۔"

المعاییر الشرعیہ میں ہے:

"شرکہ عنان اس چیز کا نام ہے کہ دو یا دو سے زیادہ افراد متعین مال کے ساتھ شراکت داری کریں اس طرح دونوں میں سے ہر ایک کو شراکت کے مال میں تصرف کا حق ہو اور نفع ان دونوں کے درمیان طے شدہ اصول کے مطابق تقسیم ہوگا اور خسارہ اپنے اپنے حصے کے مطابق برداشت کریں گے۔"[ص:۱۹۵]

ان عبارتوں سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ شرکۃ العنان میں فریقین کا مقصد چیز کو فروخت کر کے نفع کمانا ہے۔یہی وجہ ہے کہ شرکۃ العنان کی شرطوں میں ایک شرط یہ ہے کہ نفع میں فریقین میں سے ہر ایک کا حصہ طے ہو۔دیکھیئے نيل المآرب بشرح دليل الطالب: ص۱۹۳ ،الملخص الفقهي:٢ ص ٧٠

لیکن جب ہم بینکوں میں رائج مشارکہ متناقصہ کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ چیز نظر نہیں آتی یہاں نہ تو نفع کا تناسب طے ہوتا ہے اور نہ ہی کلائنٹ کا مقصد اسکو فروخت کر کے نفع کمانا بلکہ وہ تو اپنی رہائش کے لیے یہ معاملہ کرتا ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ مشارکہ متناقصہ شرکہ عنان میں داخل نہیں ہے۔



اسلامی درس گاہوں میں تعلیم قرآن کا جامع اور صحیح طریقہ رائج کریں

محمد بشیر، مدیر معہد اللغۃ العربیۃ اسلام آباد

یہ امر کسی صاحب علم سے مخفی نہیں ہے کہ ہمارے ملک بلکہ برصغیر پاک وہند کے پورے علاقے کی اسلامی درس گاہوں بلکہ سرکاری سکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں بھی، قرآنِ کریم کی تعلیم وتدریس کا جو طریقہ عرصہ دراز سے رائج چلا آ رہا ہے وہ ''ترجمہ قرآنِ کریم'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ بچوں کی ابتدائی تعلیم کے مرحلے میں تین چار سال تک جاری رہتا ہے اور اس کی تدریس یوں ہوتی ہے کہ درس کے آغاز پر ایک طالب علم مقررہ آیات تلاوت کرتا ہے۔ پھر معلم ان آیاتِ کریمہ کا اپنی مقامی زبان اردو، پشتو یا سندھی وغیرہ میں ترجمہ سکھاتا ہے۔ وہ ان کا ترجمہ کرتے ہوئے ان میں مذکورہ مشکل الفاظ اور تراکیب کی حسب ضرورت تشریح بھی کرتا جاتا ہے۔ طلباء اور طالبات اس ترجمہ اور تشریح کو نہایت توجہ اور انہماک سے سنتے ہوئے یاد کر لیتے ہیں۔ کچھ مدرسین اور شیوخ خصوصاً تفسیر قرآن کے مرحلے میں قرآنی مطالب کی تفسیر کو املا بھی کرا دیتے ہیں۔

بلا شبہ قرآنِ کریم کی تعلیم وتدریس اور تفسیر کے اس منہج سے زیر تعلیم طلبا کو متنوع تعلیمی اور دینی فوائد حاصل ہوتے ہیں:

① ...... وہ قرآنِ کریم کے لفظی اور بامحاورہ معنی سیکھ لیتے ہیں۔

② ...... وہ قرآنِ کریم کے الفاظ اور تراکیب کو سمجھنے لگتے ہیں اور کسی حد تک ان کی لغوی، صرفی اور نحوی تشریح سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔

③ ...... وہ قرآنِ حکیم کا ترجمہ اور تشریح نیز تفسیر پڑھ کر اس کے متن کے براہِ راست فہم ومطالعہ کی اہلیت حاصل کر لیتے ہیں اور قرآنی احکام اور ارشادات سے استفادہ کے اہل ہو جاتے ہیں۔

چناں چہ ان متعدد فوائد کی بنا پر ''ترجمہ قرآنِ حکیم'' کا یہ مضمون ہماری تمام چھوٹی اور بڑی درس گاہوں میں جاری وساری ہے اور اس کی افادیت پر تمام علماء اور مدرسین کا اتفاق ہے۔

تنقیدی نظر:

میں اس امر سے اتفاق کرتا ہوں کہ ترجمہ قرآنِ کریم کی تدریس سے مذکورہ بالا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس مضمون کے مروّجہ طریقہ تدریس کی اتنی افادیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن قرآنِ کریم کی تعلیم وتدریس کے یہ فوائد خود ناکافی اور محدود ہیں اور یہ اس کی تعلیم وتدریس کے کئی بنیادی تعلیمی مقاصد کا احاطہ نہیں کرتے۔ کیوں کہ یہ طریقہ تدریس عالمی سطح پر مسلمہ تعلیمی معیار پر پورا نہیں اترتا اور بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت کے کم از کم لازمی تقاضوں کی تکمیل نہیں کرتا۔ چناں چہ انہی اسباب کی بنا پر ہمارے نونہالوں کی تعلیم وتربیت کے کئی اہم اور بنیادی گوشے تشنہ رہ جاتے ہیں۔ اور مملکت پاکستان میں ہماری دینی اور تعلیمی ضروریات کی تکمیل کے لیے جس سطح کے ماہر معلمین، اساتذہ، علماء اور اسکالرز کی ضرورت ہے۔ ان کی تعلیم وتربیت میں بھی یہی ناقص طریقہ تدریس نافذ وغالب ہے، اس لیے بہتر نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ اس طریقہ تدریس کے فوائد کے مقابلے میں نقصانات زیادہ ہیں۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس میں زیر تعلیم بچوں کو قرآنِ کریم کی آیاتِ کریمہ کا صرف مقامی زبان میں ترجمہ کرنے پر لگا کر اس کی آسان عربی زبان اور ادب کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور انھیں اس کو لکھنے یا بولنے کی کوئی تربیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ انھیں ایسی تربیت یا مشق سے کئی سال تک مسلسل لاتعلق رکھتے ہوئے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو اتنا جامد کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ عربی زبان وادب میں اچھی صلاحیت یا بلند مقام کا سوچ بھی نہیں سکتے، اور اس بارے میں ہمیشہ کے

لیے مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس لیے تعلیم قرآنِ کریم کے مروّجہ طریقہ تدریس کی فوری اصلاح کرتے ہوئے اسے اپنے قومی اور ملی مقاصد اور تعلیم وتربیت کے جدید تقاضوں کے مطابق ترقی دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ میں دینی مدارس کے اساتذہ، مہتمم حضرات اور تعلیمی وفاقوں کے ذمہ دار بلند مرتبہ علماء اور شیوخ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری ان گزارشات پر توجہ فرمائیں۔ إن أريد إلا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله ۔

ہمارے پورے تعلیمی نظام کا اہم ترین مضمون تعلیم قرآنِ کریم ہے اور زیرِ تعلیم طلباء وطالبات کو اس کی بہتر تعلیم وتفہیم کی خاطر انھیں عربی زبان وادب اور حدیث وفقہ نیز اصول کے کئی علوم وفنون کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس لیے ایک ایسی جماعت جسے ہم مستقبل میں امت کی تعلیمی اور فکری قیادت کے لیے تیار کر رہے ہیں اور وہ عنقریب معلم، ادیب، مفتی وخطیب اور محدث ومفسر کی عظیم ذمہ داریوں کو سنبھالیں گے، کو کتاب اللہ اور فرقانِ حمید کی تعلیم وتدریس کا طریقہ اور منہج ایسا جامع، منظّم اور مثالی ہونا چاہیے جو انھیں قرآنی الفاظ اور عبارتوں کا ترجمہ سکھانے کے ساتھ ساتھ ان کی عمدہ فکری، لسانی اور ادبی تربیت ومہارت کی اساس بن سکے۔

صرف لفظی ترجمہ رٹنے کا متعدی مرض:

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ تعلیم قرآنِ کریم کا یہ عظیم ترین مضمون اس کی عبارت کا صرف لفظی اور زبانی ترجمہ رٹنے اور رٹانے تک محدود چلا آ رہا ہے اور تین چار سال تک اسی نہج پر چلتا رہتا ہے، اور ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا کہ اس مضمون کے دوسرے سال یا اگلے سالوں میں اس کے تعلیمی مقاصد یا تدریسی نہج میں مزید ترقی کرتے ہوئے اس میں مزید تعلیمی مقاصد کا اضافہ کر دیا جائے۔ نتیجتاً معلّمین اور طلباء وطالبات سب کی نظریں اسی لفظی ترجمہ کو پڑھنے اور پڑھانے اور یاد کرنے تک مرکوز اور محدود رہتی ہیں۔ رہا قرآنِ کریم کا اصل عربی متن تو وہ ان سب کی نظروں سے اس قدر اوجھل رہتا ہے کہ اس پورے عرصے میں انھیں اس کی عبارتوں، استعمالات اور الفاظ کے فہم ومطالعہ پر کوئی بحث یا مشق نہیں کرائی جاتی۔ اس لیے وہ قرآنِ کریم کے نہایت آسان عربی استعمالات اور محاوروں سے بھی ناواقف رہتے ہیں اور مشہور قرآنی افعال کے مادوں اور ان کے صلات تک کو نہیں سمجھتے۔

ہماری اسلامی درس گاہوں میں تعلیم قرآن ایسے بنیادی اور اہم اسلامی مضمون کا یہ جمود نسل در نسل چلا آ رہا ہے اور اس نے ہمارے لاکھوں ذہین اور محنتی نوجوانوں کی تعلیم وتربیت پر کئی منفی اثرات ڈالے ہیں جن میں سے سب سے زیادہ نمایاں نقصان یہ ہے کہ ان لاکھوں نوجوانوں کو کتاب حکیم کی عربی زبان وادب کے فہم ومطالعہ سے اس حد تک محروم رکھا جاتا ہے کہ اس کی تدریس تین چار سال کا طویل عرصہ جاری رہنے کے باوجود معلّمین یا طلبا کو اس پر عربی زبان میں چند صفحات لکھنے یا بولنے کی مشق نہیں کرائی جاتی۔

آپ کو شاید دنیا کے کسی ترقی یافتہ تعلیمی نظام میں کسی کتاب یا کورس کا محض لفظی ترجمہ رٹانے کے اس جمود کی ایسی کوئی مثال نہ ملے جو ہماری درس گاہوں میں سالوں تک جاری رہتا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ جمود عرصہ دراز سے چلا آ رہا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ عام لوگ جو کسی مستند تعلیمی درس گاہ میں نہ پڑھتے ہوں وہ اگر اپنی کاروباری مصروفیات سے کچھ وقت نکال کر صرف ترجمہ قرآنِ کریم پڑھیں تو یہ ان کے لیے بہت کام کی بات ہے، کہ وہ اس طرح قرآنِ کریم کے الفاظ کا لفظی ترجمہ یاد کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام اور ارشادات سے آگاہ ہو رہے ہیں۔ لیکن جس گروہ نے اپنی عمروں کا بہترین وقت کسب وتعلّم کے لیے وقف کیا ہوا ہے اور وہ اسلامی تعلیم اور عربی زبان کے تمام بنیادی علوم وفنون کو سالہا سال پڑھیں گے اور مستقبل میں بلند علمی مناصب پر فائز ہوں گے، کیا وہ بھی ان عام لوگوں کی طرح سالوں تک قرآنِ کریم کا صرف لفظی ترجمہ ہی رٹتے رہیں۔

ایسی صورتِ حال میں یہ لازمی اور مفید ہوگا کہ جب ان میں مناسب صلاحیت موجود ہوتی ہے اور وقت کی گنجائش بھی ہوتی ہے تو انھیں اس کتابِ حکیم کا مقامی زبان میں ترجمہ کرنے کے علاوہ اس کی

آسان اور مبارک عربی لغت، محاوروں اور استعمالات پر مفید معلومات فراہم کی جائیں اور پھر ان معلومات کو ان کے ذہنوں میں راسخ کرنے اور ان کے عملی استعمالات کی تربیت دینے کی غرض سے ان سے متنوع مشقیں حل کرائی جائیں۔

ہم تعلیم قرآن اور عربی زبان کے اچھے معلّم کیوں تیار نہ کر سکے؟

ہماری درس گاہوں میں کتاب اللہ کی تعلیم وتدریس جس سادہ اور ناقص طریقے پر چلی آرہی ہے اس کے مضر اثرات کی وسعت کا جائزہ لینے کے لیے ان پہلوؤں پر غور کرنا مفید ہوگا:

اوّلاً: ہمارے طلباء اور طالبات اپنی نوعمری میں پوری لگن اور شوق سے اپنا تعلیمی سفر شروع کرتے ہیں، اس لیے یہ ان کی عمدہ تعلیم، بہتر تربیت اور تخلیقی صلاحیتوں کی اچھی نشو ونما کا سنہری وقت ہوتا ہے، اور انھیں عربی زبان کو لکھنے اور بولنے کا ابتدائی سلیقہ اور تربیت دینے کا بھی یہی فطری وقت ہوتا ہے۔ لیکن چوں کہ ہماری درس گاہوں میں مروّجہ طریقہ تدریس کا زیادہ زور عربی عبارتوں کا لفظی ترجمہ رٹنے اور صرف ونحو کی گردانوں اور قواعد کو استعمالات کے بغیر یاد کرنے پر ہی رہتا ہے۔ اس لیے ہمارے نہایت ذہین اور محنتی بچے بھی عربی ایسی آسان زبان کو لکھنے اور بولنے کی مشق نہیں کرتے اور وہ قدرتی طور پر اس پہلو میں جمود کا شکار ہوتے ہیں جو آگے جاکر عملی زندگی میں ان کے لیے طرح طرح کی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اس وقت جو طریقہ تدریس ہمارے ہاں رائج ہے اس میں طالب علم سورہ فاتحہ سے لے کر والناس تک پڑھتے ہوئے عربی میں چند صفحات بھی لکھنے کی مشق نہیں کرتا۔

ثانیاً: پھر اس ایک مضمون کے طریقہ تدریس کی پس ماندگی صرف اس ایک مضمون تک محدود نہیں ہے، بلکہ اکثر معلّمین تعلیم وتدریس کے فن سے ناآشنا ہوتے ہیں اور مدارس کی انتظامیہ بھی انھیں فن تعلیم میں تربیت اور تدریب کے مواقع فراہم نہیں کرتی، اس لیے وہ اس پرانے طریقہ تدریس کو آسان اور چلتا ہوا سکہ خیال کرتے ہوئے اپنائے چلے جاتے ہیں۔ چناں چہ اس وقت ہماری درس گاہوں میں اکثر مضامین کی تدریس اسی لفظی اور زبانی ترجمہ اور تشریح تک محدود رہتی ہے اور یہ طرزِ تدریس سالِ اوّل سے لے کر شهادة العالية اور شهادة العالمية تک بلکہ اس سے بھی آگے تخصص کی اقسام (تخصص في التفسير، تخصص في الحديث، تخصص في الفقه، تخصص في الافتاء وغیرہ) اور یونی ورسٹی کے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کورس میں بھی جاری رہتا ہے۔ یوں کاہلی اور جمود کا یہ متعدی مرض نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے۔

ثالثاً: ہمارے عربی مدارس اور اسلامی درس گاہوں میں رائج اس ناقص اور مضر طریقہ تدریس کا ایک وسیع اور قومی سطح کا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ یہ درس گاہیں آج تک سرکاری اور غیر سرکاری سکولوں اور کالجوں میں عربی زبان وادب اور اسلامی علوم کی معیاری تدریس کے لیے اچھے معلّمین اور اساتذہ تیار نہیں کرسکیں کیوں کہ جن معلّمین نے خود ایسے ماحول میں تعلیم پائی ہوتی ہے وہ عملی زندگی میں تدریس کی جدید اور ترقی یافتہ انداز اپنانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ یہ مسلمہ قاعدہ ہے فاقد الشيء لا يعطيه (جو شخص خود کسی خوبی سے محروم ہو وہ اسے دوسروں کو نہیں دے سکتا۔) انھی اسباب کی بنا پر ہم قیامِ پاکستان کے بعد آج تک ماہر معلّمین اور اساتذہ کی تیاری کے اس خلا کو پر نہیں کر سکے۔

اپنا مختصر تعارف:

چوں کہ زیر بحث مسئلہ ملک بھر کے اسلامی مدارس کے نظامِ تعلیم سے متعلق ہونے کی وجہ سے نہایت اہم ہے اور عمیق غور وفکر کا متقاضی ہے۔ اس لیے میں اس موقع پر محترم علماء اور اساتذہ کی اطلاع اور اطمینان کے لیے اپنا مختصر تعارف عرض کرنا مفید خیال کرتا ہوں۔

میں یہ گزارشات بتوفیقہ سبحانہ وتعالیٰ تعلیم وتربیت کے میدان میں اپنے طویل تجربات اور غور وفکر کی روشنی میں ان عظیم اسلامی درس گاہوں کو بہتر علمی وتعلیمی ترقی دینے کی غرض سے پیش کر رہا ہوں۔ میں خود متعدد اسلامی درس گاہوں کا بانی ہوں، اور دن رات ان کے بہتر اور ترقی یافتہ نصاب کی ترتیب وتصنیف میں مشغول رہتا ہوں۔ ماضی میں ملت کے جن اکابر علماء اور مفکرین سے میرا کسی طرح کا تعلق رہا ہے میں ان کی قیمتی آراء سے استفادہ کرتے ہوئے ہی اسلامی علوم اور عربی زبان

کی خدمت کر رہا ہوں۔ ان میں اوّلاً میرے اساتذہ مولانا عبدالغفار حسن، محدث مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا معاذ الرحمٰن، مولانا عبداللہ امرتسری، مولانا مفتی سیاح الدین کا کاخیل اور مولانا مفتی ابوالبرکات مدراسی ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالرحیم اشرف، مفتی پاکستان مولانا محمد شفیع (ان کی جو تقریر اب وحدت امت کے عنوان سے چھپتی ہے اسے انھوں نے پہلی بار مولانا عبدالرحیم اشرف کی درخواست پر ہمارے ادارے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں بیان فرمایا تھا، پھر راقم نے اسے کیسٹ سے قرطاس پر منتقل کیا تھا)، محدث مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا خلیل احمد حامدی، مولانا عطاء اللہ حنیف نیز مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی اور معلم الانشاء کے مؤلف مولانا عبدالماجد ندوی نیز اسلامی یونی ورسٹی مدینہ منورہ کے وائس چانسلر اور سعودی عرب کے مفتی اکبر شیخ عبدالعزیز بن باز، الطریقۃ الجدیدۃ کے مؤلف ڈاکٹر احمد امین مصری کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ رحمهم الله جميعا وغفرلهم ورفع درجاتهم

میں ۱۹۷۳ء کے آخر میں اسلامی یونی ورسٹی مدینہ منورہ میں اعلیٰ تربیتی کورس کے لیے گیا تو میرے ہمراہ محترم ڈاکٹر شیر علی اور مولانا محمود اشرف بھی تھے۔ میں اس سے پہلے ہی پاکستان میں عربی زبان اور دیگر اسلامی علوم کی جدید نہج پر تدریس کر رہا تھا۔ مولانا عبدالرحیم اشرف کی سرپرستی میں سات آٹھ سال جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں بہت عمدہ تجربات ہوئے اور یہیں سے نصابی کتابوں کی تصنیف شروع کی۔ بعد ازاں چند ماہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تنظیم اسلامی اور جامعہ اشرفیہ میں عربی زبان کی تدریس کرتا رہا۔ وہاں کے بزرگوں مولانا عبیداللہ، مولانا عبدالرحمٰن اشرفی اور مولانا فضل الرحیم سب کا اعتماد اور تعاون حاصل رہا۔

اسلامی یونی ورسٹی مدینہ منورہ میں اپنے قیام کے دوران مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ سے گاہے گاہے ملاقات ہوتی تو ان سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اس وقت کے نصابِ تعلیم اور برصغیر پاک وہند میں عربی زبان وادب کی اشاعت پر تبادلہ خیال ہوتا۔ وہ اکثر میری سوچ اور جذبہ عمل کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ ایک بار انھوں نے حرم مکی میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

بشیر صاحب! مملکت پاکستان میں عربی زبان کے ایک سپاہی کی ضرورت ہے اور وہ آپ ہی ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا سفارت خانے کی ملازمت کو چھوڑ کر پاکستان جایئے۔

میں پہلے ہی اسی نظریے کو لے کر عالم عرب میں عربی زبان وادب کی ترقی کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کی غرض سے سعودی عرب گیا تھا۔ مزید کسی ڈگری یا سروس کا حصول میرا مقصد نہ تھا۔ اس سے قبل ان کی تصنیف ''پاجا سراغ زندگی'' پڑھ چکا تھا اور اس سے متاثر تھا۔ اس لیے ان کی اس رائے سے میرے پرانے تصور کو تقویت ملی۔ میں نے جدہ کی پاکستانی سفارت خانے میں ملازمت کے دنوں میں اقرأ الجزء الاوّل کا مسودہ تیار کر لیا تھا اور الجزء الثانی کی ترتیب جاری تھی۔

آخر میں اپنے مہربان دوست اور تعلیم عربی کے عالمی ماہر جناب ڈاکٹر عبدالرحیم مؤلف کتاب دروس اللغۃ العربیۃ (تین حصے) کا تذکرہ ضروری ہے۔ سعودی عرب میں اپنے قیام کے دوران اور کئی تعلیمی کانفرنسوں میں میرا ان سے تبادلہ خیال ہوتا، اور ان کے تجربات سے استفادہ کرتا۔



علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

عبدالرشید عراقی

ڈاکٹر مسلم عزیز دراقی لکھتے ہیں کہ

حکیم الامت علامہ محمد اقبال ایک عظیم شاعر تھے۔ ان کی ولولہ انگیز شاعری نے ہندوستان کے محوخواب مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کر دیا۔ ان کا فکر انگیز کلام پاک و ہند کے مسلمانوں کا ہی نہیں، پوری ملت اسلامیہ کا درخشاں سرمایہ ہے۔ اُنھوں نے قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کے ساتھ علوم حاضرہ اور یورپی مزاج و معاشرہ کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کی نگاہ مذاہب عالم کے بطون تک اتری ہوئی تھی۔ وہ اسلام کی عظمت و رفعت کے قائل تھے اور اول و آخر سچے مسلمان اور عاشق رسول تھے۔ اُن کا قلب مسلمانوں کے درد سے معمور تھا۔ وہ بہر صورت ہندی مسلمانوں کو انگریز اور ہندو دونوں کے آہنی تسلّط سے آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی بصیرت نے محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وہ اسلامیانِ ہند کو اقوامِ عالم کی صف میں سربلند و سرفراز دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ جلیل القدر فلسفی، اعلیٰ پائے کے مدبر اور با بصیرت دانش ور تھے۔ ان کی دانش اور تدبر نے اسلامیانِ ہند کی تاریک راہوں کو اجالا دیا اور ان کے لیے ایک سمت، ایک منزل، ایک مقصود، ایک نصب العین کا تعین کیا۔ وہ اگر چہ دیگر سیاست دانوں کی طرح باقاعدہ سیاست دان نہ تھے مگر بے پناہ سیاسی بصیرت کے مالک تھے۔ اُنہوں نے ۱۹۲۶ء میں پنجاب لیجسیٹو کونسل کے باقاعدہ رکن منتخب ہو کر عملی سیاست کے خارزار میں قدم رکھا۔

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی لکھتے ہیں کہ

علامہ سید سلیمان ندوی اپنے علمی تبحر اور فضل و کمال کے ساتھ بے حد ملوّن، متنوع الصفات اور مختلف الکمالات شخصیت کے حامل تھے۔ وہ بیک وقت مؤرخ بھی تھے اور محقق بھی، متکلم بھی تھے اور فلسفی بھی، فقیہ بھی تھے اور محدث بھی، ادیب بھی تھے اور شاعر بھی، صوفی بھی تھے اور معلم بھی، نقاد بھی تھے اور نعت نویس بھی اور سب سے بڑھ کر وہ ایک عظیم سیرت نگار بھی تھے۔

علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی کے درمیان مراسلت کا سلسلہ ۱۹۱۴ء سے تھا۔ ۱۹۱۵ء میں جب سید صاحب نے اعظم گڑھ میں دارالمصنفین قائم کیا تو اس کے اساسی ارکان میں علامہ اقبال کو بھی شامل کیا۔

سید صاحب کی پہلی ظاہری ملاقات علامہ اقبال سے اپریل ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ جب سید صاحب انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں تشریف لائے۔ سید صاحب اس پہلی ملاقات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

یہ لکھنے میں میرا دل خوشی اور مسرت سے لبریز ہے کہ لاہور کے اہل قلم اور اہل علم طبقہ نے اپنی برادری کے اس کم ترین ممبر کو خوش آمدید کہنے میں پوری فیاضی کا ثبوت دیا۔ مولوی ظفر علی خاں نے تو اپنے گھر میں مہمان اتارا اور یہ مناسب بھی نہ ہو کہ ایک دہقانی ایک زمیندار کا مہمان بنا۔ ڈاکٹر اقبال سے یہ میری پہلی ظاہری ملاقات تھی اور مراسلت کی باطنی ملاقات ۱۹۱۴ء سے قائم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کرم کیا کہ ملنے میں پیش قدمی فرمائی۔ قیام گاہ پر آئے، متعدد صحبتوں میں ساتھ رہے پھر خود اپنے کاشانہ میں مدعو کیا۔ جس کو وہ خود دارالفقرا کہتے ہیں اور میں دارالاقبال کہوں گا۔ [معارف مئی ۱۹۲۷ء، حیاتِ سلیمان، ص: ۳۲۷]

دوسری ظاہری ملاقات اپریل ۱۹۳۳ء میں ہوئی۔ جب سید صاحب ادارہ معارفِ اسلامیہ لاہور کے پہلے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے۔ اس اجلاس کی صدارت علامہ اقبال نے فرمائی تھی اس اجلاس میں سید صاحب نے ایک محققانہ مقالہ پڑھا تھا جس کا عنوان تھا۔

لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا۔ اس مقالہ میں سید صاحب نے بڑی تلاش وجستجو، تحقیق اور مستند شہادتوں سے مدلل کرتے ہوئے یہ بتایا کہ تاج محل کا معمار درحقیقت نادر العصر استاد احمد معمار ہے۔ جو ہندسہ، ہیئت اور ریاضیات کا بڑا ماہر تھا۔ [حیاتِ سلیمان، ص:۳۹۹]

علامہ اقبال اور سید صاحب کی تیسری ظاہری ملاقات اکتوبر ۱۹۲۳ء میں ہوئی۔ جب نادر شاہ (شاہ افغانستان) کی دعوت پر افغانستان کا علمی وتعلیمی سفر کیا۔ اس سفر میں سید صاحب، علامہ اقبال اور سر راس مسعود شامل تھے۔ اس سفر کی روئداد سید صاحب نے کتابی صورت میں ''سیر افغانستان'' کے نام سے شائع کی۔

علامہ اقبال علامہ سید سلیمان ندوی کے علم وفضل اور علومِ اسلامیہ میں جامع الکمالات ہونے کے معترف تھے۔ علامہ اقبال اپنے ایک مکتوب مجریہ ۲۸۔ اپریل ۱۹۱۸ء میں لکھتے ہیں کہ

آج مولانا ابوالکلام کا خط آیا ہے۔ اُنھوں نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے۔ مولانا شبلی رحمہ اللہ کے بعد آپ استاد الکل ہیں۔ اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہوگا۔ [اقبال نامہ:۱/۸۰]

۱۹۲۴ء میں سید صاحب کی کتاب سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا شائع ہوئی۔ تو اس کا ایک نسخہ علامہ اقبال کو بھیجا کتاب کی رسید پر علامہ اقبال نے سید صاحب کو لکھا:

سیرت عائشہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ ہدیہ سلیمانی نہیں سرمہ سلیمانی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے میرے علم میں مفید اضافہ ہوگا۔ خدائے تعالیٰ جزائے خیر دے۔ [اقبال نامہ:۱/۱۱۳]

۱۹۳۳ء میں سید صاحب کی کتاب ''خیام'' شائع ہوئی۔ جب یہ کتاب علامہ اقبال کے پاس پہنچی تو آپ نے سید صاحب کو لکھا:

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمدللہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف سے ہوا۔ [اقبال نامہ:۱/۱۷۸]

۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال نے لاہور میں رحلت فرمائی۔ تو علامہ سید سلیمان ندوی نے معارف مئی ۱۹۳۸ء میں ''ماتم اقبال'' کے عنوان سے ایک تعزیتی مضمون لکھا۔ جس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

سید صاحب لکھتے ہیں کہ

ڈاکٹر اقبال ہندوستان کی آبرو، مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھا۔ آج دنیا اس ساری عزتوں سے محروم ہوگئی۔ ایسا عارف فلسفی اور اور عاشق رسول شاعر، فلسفہ اسلام کا ترجمان، اور کاروانِ ملت کا حدی خواں صدیوں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اور شاید صدیوں کے بعد پیدا ہو، اس کے ذہن کا ہر ترانہ بانگ درا، اس کی جان حزیں کی ہر آواز زبور عجم، اس کے دل کی ہر فریاد پیام مشرق، اس کے شعر کا ہر پرواز بالِ جبریل تھا۔ اس کی فانی عمر ختم ہوگئی لیکن اس کی زندگی کا ہر کارنامہ جاوید نامہ بن کر ان شاء اللہ باقی رہے گا۔

مرحوم کی زندگی کا ہر لمحہ ملت کی زندگی کے لیے ایک نیا پیام لایا تھا۔ وہ توحید خالص کا پرستار، دین کامل کا علم بردار، اور تجدید ملت کا طلب گار تھا۔ اس کے رونگٹے رونگٹے میں رسول انام علیہ السلام کا عشق پیوست تھا۔ اس کی آنکھیں جسم اسلام کے ہر ناسور پر اشک بار رہتی تھیں اس نے مستقبل میں اسلام کا ایک خواب دیکھا تھا۔ اسی خواب کی تعبیر میں اس کی ساری عمر ختم ہوگئی۔

اقبال ہندوستان کا فخر اقبال، اسلامی دنیا کا ہیرو اقبال، فضل وکمال کا پیکر اقبال، حکمت ومعرفت کا دانا اقبال، کاروان ملت کا رہنما اقبال، رخصت رخصت، الوداع الوداع۔

سلام اللہ علیك ورحمته الی یوم التلاق.

[یادِ رفتگاں، ص:۱۸۱]



نقطہ نظر

جماعتی اخوت ومحبت

محمد سلیم چنیوٹی

مسلمانوں کو آپس میں بھائی چارے، پیار ومحبت، الفت واُنس کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ، اسی ضمن میں فرمائے گئے ہیں۔اگر کسی کی دوستی سے منع فرمایا گیا ہے تو وہ یہود ونصاریٰ کی دوستی ہے۔ کیوں کہ یہودی ونصرانی آپس میں دوست ومددگار ہوتے ہیں۔ یہ کوئی جھوٹی موٹی بات نہیں ہے یہ بات قرآنِ کریم میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔حوالے کے لیے دیکھئے قرآنِ کریم کی سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۵۱، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست (رفیق) مت بناؤ۔ کیوں کہ یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست (رفیق) ہیں۔ جو کوئی ان کو دوست بنائے گا اس کا شمار بھی ان ہی لوگوں (کافروں) میں ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالموں سے رہنمائی چھین لیتا ہے۔''

آج سے پندرہ سو برس پہلے کی بتائی گئی قرآنی نصیحت اس دور میں بھی کیسی سچی ثابت ہورہی ہے کہ آج یہود ونصاریٰ اکٹھے ہیں۔آپس میں ان کی دوستی ومحبت، تعاون ومدد حاصل ہے۔ائمہ کفر اہل اسلام اور شوکت اسلام سے مرعوب ہوکر ان کے درپے آزار بنے ہوئے ہیں۔ان حالات میں مسلم اُمہ اور اسلام کے نام لیوا عوام وخواص کا متحد اور متفق ہونا لازمی امر ہونا چاہیے۔

ہمیں اتفاق واتحاد کا درس ہمیشہ علمائے کرام دیتے ہی آئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انھیں منبر رسول پر بٹھایا ہے۔ وراثت انبیاء انھی کے حصے میں آئی ہے۔اپنے دروسِ علمیہ وتقاریر وخطبات میں اپنے مقتدیوں کو اتحاد واتفاق کا درس دینے والے ہمارے معزز علماء وخطیب حضرات اگر خود ہی ان چونچلوں میں لگے رہیں یا آپس میں تو تکار شروع کردیں، اپنے اپنے جماعتی آرگن میں ایک دوسرے کے تار وپود بکھیرنے میں مصروف عمل نظر آنے لگیں تو سوائے افسوس کے ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟ پیشگی معذرت کرتے ہوئے یہ سطور لکھی جارہی ہیں کہ طبقہ علماء میں باہم حسد دیکھا گیا ہے۔ یہ حسد ہی کی بیماری یا وبا ہے کہ ایک عالم دوسرے کے خلاف برسر مقالہ باز ہوجاتا ہے۔اپنی اپنی لفاظی اور اپنے اپنے تیر ونشتر سے دوسرے پر وار کرکے رہی سہی ساکھ کو اشد نقصان پہنچانے میں مگن نظر آتا ہے۔قرونِ اولیٰ کے لوگ ان چیزوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ دیکھا گیا ہے کہ مرضِ شہرت پسندی جہاں غالب ہوگی، جہاں حُبِّ دنیا سرایت کرے گی وہاں علمائے کرام کا اختلاف نظر آئے گا۔ اب ہمارے ہاں مغربی نظام جمہوریت ہے۔اس کے تحت بعض علمائے کرام بھی الیکشن میں حصہ لیتے نظر آئے ہیں۔آخر ہار جیت ہونی ہوتی ہے۔اللہ کریم نے علمائے کرام کو جو عزت منبر رسول ﷺ پر بٹھا کر عطا کی ہے ہمارے علمائے کرام وہ عزت جمہوری انتخابات میں بھی تلاش کرتے ہیں۔عوام تو دیکھا دیکھی ووٹ دیتے ہیں اور جو امیدوار سیٹ جیت جاتا ہے وہ تو اپنے آپ کو خوش قسمت گردانتا ہے اور جو ہار جاتا ہے وہ دوسروں پر الزامات کی بوچھاڑ کرتا نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ چند مذہبی شخصیات وجماعتیں جو اپنی پوری پارٹی سمیت الیکشن ہار جاتی ہیں تو وہ اپنی ہی دوسری جماعتوں کے نمائندگان کے خلاف بیان بازیاں شروع کردیتے ہیں۔

اتفاق واتحاد کی ضرورت جتنی آج کے دور میں ہے شاید اس سے قبل اتنی ضرورت نہ تھی۔ اگر برا نہ سمجھا جائے تو ہماری اہل حدیث جماعتوں کے رہنماؤں اور الیکشن میں حصہ لینے والے حضرات کو اپنے ہی بھائیوں پر الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے نظر نہ آنا چاہیے کہ یہ ایک نہایت ہی بری روایت شمار نہ ہوجائے۔غیر دینی لوگ ان مواقع سے فائدے اٹھاتے ہیں اور اپنے ریکارڈ میں ایسے واقعات نوٹ کرتے نظر آتے ہیں پھر ہمیں تمسک بالکتاب والسنہ کا بھی الحمدللہ دعویٰ ہے۔اختلاف کا ہوجانا اور اختلاف ہوکر ایک دوسرے کے ساتھ بحث ومباحثہ کے ذریعے دل صاف کرلینا بھی رحمت کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔لیکن اختلاف پر استقامت اختیار کرجانا اور ایک دوسرے کو مباہلہ ومناظرہ کا چیلنج وغیرہ دیتے رہنا بڑا معیوب سا نظر آتا ہے۔مرزائی رئیس مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ وتیرہ تھا کہ اپنے مخالفین کو وہ مناظرے ومباہلے کے بے شمار چیلنج دیتا رہتا تھا۔تاریخ اسلام اور قرونِ اولیٰ میں ایسے مباہلے وغیرہ کی روایات سے ہمیں نہیں گزرنا پڑا۔ یہ چند گزارشات تھیں جو ''اہل حدیث'' اور ''الاخوۃ'' جیسے بامعنی الفاظ پہ مبنی جرائد میں چھپنے والی بعض تحریروں کے ضمن میں نوکِ قلم پر آگئیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اتفاق واتحاد کی برکت سے نوازے اور اعتصام بحبل اللہ پر گامزن رکھے۔

اللہ کریم ہمارے علم وعمل میں برکتیں اور بھائی چارے پر عمل کی توفیق سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

فہرست اردو کتب

مکتبہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

۱۷ء۲۹۷ پروفیسر حکیم عبدالرشید حنیف
ح۸۲۵ق قرآنی علوم ومعارف کی تفسیر، مقدمہ تفسیر سورہ اخلاص، ص:۸۸، ادارہ علوم اسلامی جھنگ

۱۷ء۲۹۷ حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی
ا۱۶ات تعلیم القرآن، ص:۱۵۱، پنجاب پریس سیالکوٹ۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی
ق۳۵۷ھ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص:۳۵۱، مکتبہ جامعہ نئی دہلی۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
ا۱۲۳ا اصولِ تفسیر، ص:۱۱۲، فردوس پبلی کیشنز دہلی ۱۳۲۸ھ

۱۷ء۲۹۷ مقبول انور داؤدی
د۴۶ق قصص القرآن، ص:۶۴، دی چلڈرن قرآن سوسائٹی لاہور ۱۹۷۹ء

۱۷ء۲۹۷ حافظ نذر احمد
ن۴۱ا انبیائے قرآن، ص:۲۹۵، پاک مسلم اکادمی الفضل مارکیٹ لاہور ۱۹۷۵ء

۱۷ء۲۹۷ سید نواب علی
ن۸۴ت تاریخ صحف سماوی، ص:۳۶۶، مکتبہ افکار رابسن روڈ کراچی ۱۹۶۳ء

۱۷ء۲۹۷ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
ا۱۲۳۱ مجموعہ چھ کتب۔ ① اصولِ تفسیر، ابن تیمیہ۔ ② برق اسلام بجواب طلوعِ اسلام، ابوسعید محمد شرف الدین۔ ③ ایلا وتخییر، مولانا آزاد۔ ④ مسئلہ وحدت الوجود، محمد احمد صدیقی۔ ⑤ قربانی کی شرعی حیثیت، مولانا عطاء اللہ حنیف۔ ⑥ برزخ اور عذاب قبر، مولانا محمد صاحب سورتی۔

۲۱ء۲۹۷ حفیظ اللہ تائب
ت۲۶۷ق قارون کی تباہی، ص:۸۸، الحفیظ دار الصحت شالامار ٹاؤن لاہور۔ س،ن

۲۱ء۲۹۷ رحیم بخش، خان بہادر سیشن جج
ر۵۵ح حروف مقطعات کے اشارات وکنایات، فرید کوٹ لاہور۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ قرآن زندہ ہے، ص:۳۲، مرکز تحقیق واشاعت اتحاد المسلمین کوٹ لکھپت لاہور۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ عبدالسلام قدوائی
ق۳۶ق قرآنِ مجید کی دوسری کتاب، ص:۱۷۲، ادارہ تعلیماتِ اسلام لکھنؤ۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ پیرزادہ شمس الدین
ش۶۷ا احکام النسواں فی کلام الرحمٰن، ص:۵۸، مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ مولانا محمد علی صاحب
م۵۲۵ب البرہان علی تجہیل من قال بغیر علم فی القرآن، ص:۶۳۵، ج:۲، مطبع انجمن اسلامیہ مرادآباد ۱۳۰۶ھ

۱۷ء۲۹۷ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین
ص۱۳ق قرآن کے اردو تراجم، ص:۵۳۴، قدیمی کتب خانہ کراچی۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ ڈاکٹر سالم قدوائی
ق۳۵۷د ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص:۳۵۲، مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۷۳ء

۱۷ء۲۹۷ مولانا اخلاق حسین قاسمی
ق۳۰۴م محاسن موضح قرآن، ص:۸۵۶، ذوالنورین اکادمی سرگودھا ۱۹۸۳ء

۱۷ء۲۹۷ مولانا نظام الدین

ن۵۷ت تفسیروں میں اسرائیلی روایات، ص:۳۳۰، جینئس پبلشرز ۲۰۰۵ء

۱۷ء۲۹۷ محمد صابر عبداللہ شیخ

ص۱۱ی یسرنا القرآن، ص:۶۴، مرکز التوحید لتحفیظ القرآنِ الکریم والسنۃ النبویہ، عجمان ۱۹۸۹ء

۱۷ء۲۹۷ محمد شفیع رانوی

م۴۸ع اعجاز القرآن، ص:۱۶۰، پاک مسلم اکادمی الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور ۱۹۸۵ء

۱۷ء۲۹۷ ظفر اقبال بن غلام قادر

ظ۲۱ا انجمن کا قرآنی قاعدہ، ص:۳۵، انجمن حمایت اسلام لاہور ۱۳۷۳ھ

۱۷ء۲۹۷ کرنل ڈاکٹر عبدالقدیر

ع۴۸۱د دعوت، ص:۳۶۰، کمبائن پرنٹرز گارڈی ٹرسٹ بلڈنگ نیپر روڈ لاہور۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ اشرف علی تھانوی

ا۴۵۵ج جمال القرآن، ص:۷۲، قرأت اکیڈمی لاہور۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ مرزا بسم اللہ بیگ

ب۵۳ت تذکرہ قادیانِ ہند، ص:۳۶۵، نیشنل پرنٹنگ پریس مینار ۱۹۷۰ء

۱۷ء۲۹۷ قاری محمد ادریس عاصم

ع۵۷ام متشابہات القرآن، ص:۱۳۲، قرأت اکیڈمی لاہور ۱۹۹۱ء

۱۷ء۲۹۷ محمد نور الاسلام غازی

ن۸۷آ آسان قرأت، ص:۳۳، مجمع الشبان المسلمین العالمی پاکستان ۱۹۹۰ء

۱۷ء۲۹۷ علامہ شمس الدین محمد بن جزری

ج۳۳ف الفوائد السّلفیہ علی المقدمۃ الجزریہ، قرأت اکیڈمی ۱۴۱۱ھ

۱۷ء۲۹۷ شمس الدین محمد بن جزری

ج۳۳م المقدمۃ الجزریہ، ص:۶۴، مکتبہ عزیزیہ چوک دالگراں لاہور۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ ابوطیب محمد صدیق حسن خان

ص۵۳ف فصل الخطاب فی فصل الکتاب، ص:۹۵، المکتبۃ السّلفیہ، شیش محل روڈ لاہور ۱۹۸۴ء

۱۷ء۲۹۷ محمد ادریس عاصم

ع۵۷از زینۃ المصحف، ص:۱۶۰، قرأت اکیڈمی لاہور ۱۹۹۲ء

۱۷ء۲۹۷ ڈاکٹر سیل ایڈورڈ

س۹۶۹ک کشف القرآن، ص:۲۰۰، پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۰۲ء

۱۷ء۲۹۷ قاری محمد ادریس عاصم

ع۵۷ات تحبیر التجوید، ص:۸۰، قرأت اکیڈمی لاہور۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ شاہ وصی اللہ

ش۲۲ت تلاوتِ القرآن، ص:۱۰۸، مکتبہ وصیۃ العلوم مچھلی کوٹھی الہ آباد۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ عبدالرحمٰن سلفی

س۴۵ق قرآنِ کریم کے بعض مبہم مقامات واسماء کا دلکش بیان، ص:۱۵۰، جامعہ اشاعۃ الاسلام عارف والا ۲۰۰۲ء

۱۷ء۲۹۷ عبدالصمد صارم الازہری

ص۲۲ت تاریخ القرآن، ص:۲۲۳، مکتبہ معین الادب اردو بازار لاہور ۱۹۷۷ء

۱۷ء۲۹۷ حافظ محمد یونس

ی۵ق قرآن منزل بہ منزل، کفایت اکیڈمی کراچی ۱۴۱۱ھ

۱۷ء۲۹۷ مولانا وحید الدین خان

و۴۴ع عظمت قرآن، ص:۱۵۰، المکتبۃ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ لاہور۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ نعمان مختار لکھوی

ن۶۶۸ف فہم تجوید القرآن، مرکز التربیۃ الاسلامیہ فیصل آباد ۲۰۰۰ء

۱۷ء۲۹۷ قاری محمد یحییٰ
ی۲۱ا اسہل التجوید فی القرآنِ المجید، ص:۸۰، ادارہ جامعہ عزیزیہ ساہیوال۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ قاری محمد ادریس عاصم
ع۱۷۰ا ابلاغ النفع فی القراءات السبع، ص:۳۹۹، قرأت اکیڈمی لاہور۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ قاری محمد یحییٰ
ی۲۱ا ① اسہل التجوید، ص:۸۰، ② مجلّہ تسہیل القرآن، ص:۶۴، ادارہ جامعہ عزیزیہ ساہیوال۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ مولانا سراج القادری
س۱۴۱ا انوارِ قرآنی، الدارالسنیہ انڈیا اسٹریٹ، بمبئی ۲۰۰۱ء

۱۷ء۲۹۷ مصباح الحق
م۶۳ق قرآن پڑھنا سیکھئے، بشیر سنز لاہور۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ محمد نظر
م۶۲ت تحفۃ الصبیان فی تجوید القرآن، ص:۱۶، مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ مولانا محمد ابراہیم میر محمدی
م۷۰۹ح حلاوۃ الایمان بتلاوۃ القرآن، ادارۃ التبلیغ وزیر آباد۔ س،ن

۱۷ء۲۹۷ حافظ محمد فاروق
ف۱۹ات تیرہ سورہ شریفہ مترجم، ص:۲۱۲، المرکز تحفظ حقوق السّلفیہ ۲۰۰۳ء

حدیث وعلوم الحدیث:

۲۱ء۲۹۷ محمد اقبال کیلانی
ا۱۳۱ا اتباع سنت کے مسائل، ص:۱۲۸، حدیث پبلی کیشنز گوجرانوالہ پاکستان ۱۹۹۰ء

۲۱ء۲۹۷ مولانا محمد قاسم بنارسی
ا۴۵ا الامر المبرم لابطال الکلام المحکم، ص:۴۴۵، اہل حدیث اکادمی لاہور ۱۳۲۹ء

۲۱ء۲۹۷ شبیر احمد ازہر
ا۳۶۹۶ت تقریب المال فی اصول حدیث الرسول، ص:۵۷۴، ۱۹۴۵ء

۲۱ء۲۹۷ محمد جعفر ندوی
ج۳۹م مقام سنت، ص:۱۱۱، مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ اسلامیہ لاہور ۱۹۵۲ء



”اَلْحِکْمَۃُ“

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ محض اُس کی رحمت اور اُس کے فضل سے احادیث مبارکہ کا دل نشین مجموعہ اضافہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ یہ وہ احادیث ہے جو ”درسِ حدیث“ کے عنوان سے ہفت روزہ ”الاعتصام“ میں چھپ چکی ہیں۔ انتہائی دیدہ زیب پرنٹنگ اور خوب صورت جلد کے ساتھ ایک ہزار صفحات سے زائد یہ مجموعہ اُن خواتین وحضرات کی خدمت میں تحفہ پیش کر دیا جائے گا جنھوں نے قرآن وحدیث کے دروس کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے یا جو اِس سلسلہ کو شروع کرنا چاہتے ہوں۔ امیر ضلع کے تصدیق نامہ کے ساتھ کتاب صرف دستی دی جاتی ہے۔ ڈاک میں بھیجنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ [شیخ عمر فاروق B/15 وحدت کالونی، لاہور۔ فون: 7585960]

اہم اعلان

بحکم استاذ القراء الشیخ قاری محمد ادریس العاصم حفظہ اللہ

المدرسۃ العالیۃ لتجوید القرآن اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور سے فارغ ہونے والے تمام فاضلین قراء کرام اپنا مکمل ایڈریس بمعہ ٹیلی فون اور موبائل نمبر درج ذیل پتا پر ارسال فرمائیں۔ شکراً لکم

الداعیان الی الکتاب والسنۃ: قاری عبدالواحد، قاری محمد صادق، مدرسین المدرسۃ العالیۃ لتجوید القرآن اندرون شیرانوالہ گیٹ، لاہور۔

فون: 0321-6813431 / 0300-4594975

وفاق المدارس السّلفیہ کی تربیتی ورکشاپ سلفی مدارس کی بہتر تنظیم اور ترقی کی جانب اہم قدم

محمد بشیر، مدیر معہد اللغۃ العربیۃ اسلام آباد

یہ امر ہمارے لیے گہرے اطمینان اور خوشی کا باعث ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وفاق المدارس السلفیۃ پاکستان نے اپنے ماتحت سلفی مدارس اور جامعات کی بہتر تنظیم اور ان کے تعلیمی و تربیتی معیار کو ترقی دینے کی غرض سے ان کے معلّمین اور معلّمات کے باقاعدہ تربیتی کورسز کے انعقاد کا آغاز کر دیا ہے۔ چناں چہ پہلے مرحلے پر جماعت کی مرکزی درس گاہ الجامعۃ السلفیۃ فیصل آباد میں وفاق کے زیر اہتمام صوبہ پنجاب کے اساتذہ اور معلّمات کی تربیتی ورکشاپ ۲۶ر اپریل تا یکم مئی ۲۰۰۸ء منعقد ہوئی جس میں تقریباً ۱۵۰ معلّمین اور معلّمات نے شرکت کی اور ماہر اساتذہ کے خطابات اور تجربات سے استفادہ کیا۔ وقت کم ہونے کی بنا پر اس ورکشاپ کا موضوع صرف دو اہم اور بنیادی مضامین ① قرآنِ کریم کی معیاری تعلیم و تدریس، ② ابتدائی عربی زبان کی معیاری تعلیم و تدریس تک محدود رکھا گیا۔

وفاق کی جانب سے اس ورکشاپ کے تعلیمی و تربیتی امور کی تنظیم اور نگرانی راقم کے ذمہ تھی۔ چناں چہ معہد اللغۃ العربیۃ کی پوری ٹیم نے اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دینے کی غرض سے دو ماہ تک خوب تیاری کی، اور طے کیا کہ اس کورس کے پروگرام کو ایسے معیاری انداز سے ترتیب دیا جائے کہ یہ محدود مقاصد کا ایک جشن یا جلسہ نہ بنے بلکہ تعلیم و تربیت کے مسلمہ معیار کے مطابق شرکاء کی پائیدار تربیت اور مستقل راہنمائی کا ذریعہ ثابت ہو۔ چناں چہ ماہرین نے

①...... بنیادی درسی کتابوں کی معیاری تدریس کی راہنما مرشد المعلم ***(Teacher`s guide)*** کی تیاری شروع کر دی جس کا ان دنوں صرف پہلا حصہ طبع ہو سکا۔

②...... نیز درس گاہ کے داخلی ماحول میں بنیادی عربی زبان کے بول چال کا ذوق فروغ دینے کی گائیڈ کلمات مستعملة فی بيئة مدرسية تیار کی اور معلّمین اور معلّمات کے لیے اس کے الگ الگ نسخے طبع کرا دیے گئے۔ چناں چہ شرکاء کے استفادہ کے لیے انھیں یہ دونوں طرح کی گائیڈز فراہم کر دی گئیں۔

اس تربیتی ورکشاپ کا مردانہ سیکشن الجامعۃ السّلفیہ میں منعقد ہوا جس میں تعلیم و تربیت کے فرائض راقم کے علاوہ الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد کے ماہر استاذ عبید الرحمٰن اور معہد اللغۃ العربیۃ کے ماہر استاذ محترم سلیم نواز نے انجام دیے۔ جب کہ زنانہ سیکشن کا انعقاد محترم حاجی عبد الغنی صاحب کے ادارے جامعہ تعلیم البنات میں ہوا جس میں تعلیم و تدریس کے فرائض تین معلّمات محترمہ زیتون ابراہیم، محترمہ نبیلہ عبد الرحمٰن اور محترمہ خدیجہ نے انجام دیے۔

بنیادی عربی زبان کی مؤثر تعلیم و تدریس کے اصول:

ان فاضل اور ماہر اساتذہ نے ورکشاپ کے شرکاء کو وفاق کی مقررہ نصابی کتابوں (اقرأ، دروس اللغۃ العربیۃ اور مفتاح الانشاء) کے علاوہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب قصص النبیین کی معیاری تدریس، نیز دیگر سمعی و بصری وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے بنیادی عربی زبان کی آسان، عمدہ اور مؤثر تعلیم و تدریس کے اصولوں اور طریقوں سے آگاہ کیا اور ان کے سامنے عملی تجربات کرتے ہوئے ان کی تاثیر اور افادیت کو واضح کیا۔

تعلیم قرآنِ کریم کا جامع اور صحیح معیار:

راقم نے اپنی تحقیق کے مطابق شرکاء کو عرض کیا کہ ہماری درس گاہوں میں کتاب اللہ کی تعلیم و تدریس کا مروّجہ طریقہ تدریس جو "ترجمہ قرآنِ کریم" کے نام سے معروف ہے، وہ اس کی تعلیم و تدریس کے صرف محدود مقاصد کو پورا کرتا ہے جب کہ دوسرے کئی اہم اور بنیادی مقاصد کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اس لیے اس طریقہ تدریس میں مناسب اجزاء کا اضافہ کرنا ضروری ہے۔ چناں چہ معلم اولاً: اس کی مقررہ آیات کریمہ کے الفاظ، تراکیب اور صلات وغیرہ کی لغوی تشریح املاء کرائے، (اس کے ۳۰ نمبر ہوں گے۔) ثانیا: مقامی زبان میں ان کا ترجمہ اور تشریح یاد کرائے (اس کے ۴۰ نمبر ہوں گے۔)، ثالثاً: آخر میں ان آیاتِ کریمہ کے مضمون اور جملوں پر آسان عربی زبان میں سوال و جواب وغیرہ کی مشق زبانی اور تحریری دونوں طرح حل کرائے (اس کے ۳۰ نمبر ہوں گے۔) ایسی معیاری اور جامع تدریس سے زیرِ تعلیم بچے ترجمہ اور تشریح کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم کی آسان اور شیریں زبان کے استعمالات سے واقف ہوں گے اور ان میں آسان عربی لکھنے اور بولنے کی صلاحیت اور عمدہ ذوق فروغ پائے گا، ان شاء اللہ۔ اس اسلوبِ تعلیم کے مطابق شرکاء کو چند اسباق کی تدریس کی گئی، جس پر شرکاء نے نہایت خوشی اور حیرت کا اظہار کیا۔

ورکشاپ کے اختتام پر ایک پروقار تقریب میں جس کے مہمانِ خصوصی وفاق کے ناظم امتحانات شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم تھے، شرکاء کو اسناد دی گئیں۔ اس سے مہمانِ خصوصی کے علاوہ جامعہ سلفیہ کے پرنسپل مولانا یاسین ظفر، شیخ الحدیث مولانا عبد العزیز علوی، مولانا محمد یونس رجسٹرار وفاق اور راقم نے خطاب کیا۔ شرکاء نے ورکشاپ کے عمدہ نظم اور معیاری خدمات پر مولانا محمد یونس، مولانا یاسین ظفر اور محترم حاجی عبد الغنی کا شکریہ ادا کیا۔